جولائی - اگست ۲۰۲۴ء

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کے بارے میں سلف صالحین کا عقیدہ

ہم رسول اللہ ﷺ کے اصحاب سے سچی محبت کرتے ہیں اور ان میں سے کسی ایک کی محبت میں افراط وغلو سے کام نہیں لیتے اور نہ ان میں سے کسی سے براءت کا اظہار کرتے ہیں، جو ان سے بغض رکھتا ہے یا ان کو برائی سے یاد کرتا ہے ہم اس سے بغض رکھتے ہیں۔ اور تمام صحابہ کرام کو بھلائی سے یاد رکھتے ہیں۔ ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ ان سے محبت رکھنا دین، ایمان اور احسان ہے اور ان سے بغض رکھنا کفر، نفاق اور سرکشی وطغیان ہے۔

(امام طحاوی رحمہ اللہ / شرح العقیدۃ الطحاویۃ:۵۲۸)

صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی

محرم-صفر ۱۴۴۵ھ • جولائی-اگست ۲۰۲۴ء

سرپرست
عبدالسلام سلفی
سعید احمد بستوی

مدیر عبدالحکیم عبدالمعبود مدنی

نائب مدیر عبدالجلیل انصاری

مجلس ادارت

- عنایت اللہ مدنی
- عبدالواحد انور یوسفی
- عبدالمعید مدنی (مہلہ)
- عبدالجبار سلفی
- ڈاکٹر عبدالمبین خان

پتہ

دفتر صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی ۱۴-۱۵، چوناوالا کمپاؤنڈ، مقابل بیسٹ بس ڈپو-ایل. بی. ایس مارگ، کرلا ویسٹ ممبئی-۷۰

SUBAI JAMIAT AHLE HADEES, MUMBAI

14/15, Chuna Wala Compound, Opp. Best Bus Depot, L.B.S. Marg, Kurla (W), Mumbai - 400 070

9892255244 9892555244 ahlehadeesmumbai@gmail.com @JamiatSubai

subaijamiatahlehadeesmum SubaiJamiatAhleHadeesMumbai

www.ahlehadeesmumbai.com majallahaljamaah@gmail.com

نگارشات

مضمون نگار کی رائے سے ادارہ کا اتفاق ضروری نہیں ہے۔

حلقۂ قرآن

مصیبت کے وقت ”إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّآ إِلَيۡهِ رَٰجِعُونَ“ کہنا

● شیخ رفیع اللہ سلفی (داعی صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی)

﴿ٱلَّذِينَ إِذَآ أَصَٰبَتۡهُم مُّصِيبَةٞ قَالُوٓاْ إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّآ إِلَيۡهِ رَٰجِعُونَ ۝١٥٦ أُوْلَٰٓئِكَ عَلَيۡهِمۡ صَلَوَٰتٞ مِّن رَّبِّهِمۡ وَرَحۡمَةٞۖ وَأُوْلَٰٓئِكَ هُمُ ٱلۡمُهۡتَدُونَ﴾ [البقرة:۱۵۶-۱۵۷]

”جنہیں جب کبھی کوئی مصیبت آتی ہے تو کہہ دیا کرتے ہیں کہ ہم تو خود اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہیں اور ہم اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں ان پر ان کے رب کی نوازشیں اور رحمتیں ہیں اور یہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں“۔

قارئین کرام! دنیا میں دکھ سکھ، غم ومسرت اور رنج وراحت لازم وملزوم ہیں، دنیا میں کوئی انسان ایسا نہیں جسے مصیبت اور دکھ نہ پہونچی ہو۔ مومن اس دکھ اور غم کی حالت میں ضبط نفس اور صبر وتحمل سے کام لیتا ہے اور سب سے پہلے اپنی زبان سے یہ کلمات جاری کردیتا ہے ”إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّآ إِلَيۡهِ رَٰجِعُونَ“ یہی مومنین کی صفت اللہ تعالیٰ نے مذکورہ آیت مبارکہ میں بیان فرمائی ہے۔

جب مسلمان پر کوئی مصیبت وآفت آئے تو سب سے پہلے وہ اپنی زبان سے ”إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّآ إِلَيۡهِ رَٰجِعُونَ“ کہے، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”مَا مِنْ مُسْلِمٍ تُصِيبُهُ مُصِيبَةٌ، فَيَقُولُ مَا أَمَرَهُ اللَّهُ: إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ، اللَّهُمَّ أْجُرْنِي فِي مُصِيبَتِي، وَأَخْلِفْ لِي خَيْرًا مِنْهَا، إِلَّا أَخْلَفَ اللَّهُ لَهُ خَيْرًا مِنْهَا“ (صحیح مسلم: الجنائز، باب مایقال عند المصیبۃ: ۲۱۲۶)

ترجمہ: جس مسلمان کو کوئی مصیبت پہنچتی ہے، پھر وہ کہتا ہے کہ ہم تو خود اللہ کی ملکیت ہیں اور ہم اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں۔ اے اللہ! مجھے میری مصیبت میں اجر عطا فرما اور مجھے بدلے میں اس سے بہتر عطا کر تو اللہ تعالیٰ اسے اس چیز کے بدلے میں اس سے بہتر عطا فرما دیتا ہے۔

مسند احمد میں یہ روایت مفصل موجود ہے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میرے شوہر حضرت ابو سلمہ رضی اللہ عنہ ایک روز میرے پاس نبی کریم ﷺ کی خدمت سے ہوکر آئے اور خوشی خوشی فرمانے لگے آج تو میں نے ایک حدیث سنی ہے کہ میں بہت ہی خوش ہوا ہوں وہ حدیث یہ ہے کہ جس کسی مسلمان کو کوئی مصیبت پہنچے اور وہ کہے:

”إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ، اللَّهُمَّ أْجُرْنِي فِي مُصِيبَتِي، وَأَخْلِفْ لِي خَيْرًا مِنْهَا“. تو اللہ تعالیٰ اس کو اس سے بہتر بدلہ ضرور دیتا ہے۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے اس دعا کو یاد کرلیا جب حضرت ابو سلمہ رضی اللہ عنہ وفات پاگئے تو میں نے یہ کلمات پڑھے لیکن مجھے خیال آیا کہ بھلا ابو سلمہ سے بہتر شخص کون مل سکتا ہے؟ جب میری عدت گزر گئی (چار ماہ دس دن) تو میں ایک روز ایک کھال کو دباغت دے رہی تھی کہ نبی ﷺ تشریف لائے اور اندر آنے کی اجازت چاہی، میں نے اپنے ہاتھ دھو ڈالے، کھال رکھ دی اور نبی کریم ﷺ سے اندر

تشریف لانے کی درخواست کی اور آپ کو ایک گدی پر بٹھا دیا۔

آپ نے مجھ سے اپنا نکاح کرنے کی خواہش ظاہر کی میں نے کہا یہ تو میری خوش قسمتی کی بات ہے لیکن اول تو میں بڑی غیرت والی ہوں، ایسا نہ ہو کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت کے خلاف کوئی بات مجھ سے سرزد ہو جائے اور اللہ کے یہاں عذاب ہو، دوسرا یہ کہ میں عمر رسیدہ ہوں، تیسرا یہ کہ میں بال بچوں والی ہوں، آپ نے فرمایا: ''تو سنو! ایسی بے جا غیرت اللہ تعالیٰ تمہاری دور کر دے گا اور عمر میں کچھ میں بھی چھوٹا نہیں اور رہی بچوں کی بات تو تمہارے بچے میرے ہی بچے ہیں''۔

میں نے یہ سن کر کہا پھر تو مجھے کوئی عذر نہیں۔ چنانچہ میرا نکاح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہو گیا اور مجھے اللہ تعالیٰ نے اس دعا کی برکت سے میرے شوہر سے بہت ہی عظیم الشان کو (یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو) میرا شوہر بنا دیا۔ (مسند احمد: ۱۵۹۰۹، سند حسن عند احمد شاکر)

ہمارے معاشرے میں عام یہ ہے کہ یہ الفاظ ''إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ'' تو صرف اس وقت ادا کرتے ہیں جب کسی کی موت کی خبر موصول ہوتی ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو عام رکھا ہے جب بھی کوئی پریشانی و مصیبت آئے تو اس وقت یہ الفاظ ادا کرنا چاہیے۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب مومن کا بچہ فوت ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرشتوں سے پوچھتے ہیں: کیا تم نے میرے بندے کے بچے کی روح قبض کر لی ہے؟ فرشتے کہتے ہیں: ''ہاں''، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: کیا تم نے میرے بندے کے جگر کا ٹکڑا لے لیا ہے؟ فرشتے کہتے ہیں: ''ہاں'' ''فيقولُ ماذَا قالَ عَبدِي؟ فيقولون حَمِدَكَ واسْتَرْجَعَ فَيَقُولُ ابنُوا لعَبْدِي بَيْتًا فِي الجَنَّة وَسمُّوهُ بَيْتَ الحَمْد'' (ترمذی: الجنائز، باب فضل المصیبۃ اذا احتسب: ۱۰۲۱، صحیح ترمذی للالبانی: ۱/ ۸۱۴)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میرے بندے نے کیا کہا تھا؟ پس وہ کہتے ہیں تیری تعریف کی اور ''إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ'' پڑھا پس اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میرے بندے کے لئے جنت میں ایک گھر بنا دو اور اس گھر کا نام ''بیت الحمد'' رکھ دو۔

مصائب کے وقت ''إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ'' پڑھنا صبر و تحمل سے کام لینا، نماز اور دعا کے ساتھ مدد طلب کرنا، استقامت کا مظاہرہ کرنا، جزع فزع اور شکوے شکایت سے بچنا، استغفار طلب کرنا، عمل صالح کے توسط سے دعا کرنا اور ان مصائب و آلام کو تقدیر کا حصہ سمجھنا یہ مومنانہ شیوہ ہے اور اس کے برعکس مصائب و آلام کے وقت صبر و تحمل سے کام نہ لینا بلکہ جزع فزع کرنا اپنی زبانوں سے شرکیہ و شکوے شکایت والے کلمات نکالنا اور ان مصائب کو کسی مہینہ یا جانور و پرندے سے جوڑ کر منحوس سمجھنا اور بدشگونی لینا جیسا کہ برصغیر کا ایک طبقہ صفر کے مہینہ کو منحوس سمجھتا ہے۔ اس مہینہ میں تو ہم پرست لوگ شادی کرنے کو نحوست کا باعث قرار دیتے ہیں، اور اس کو خیر و برکت سے خالی سمجھتے ہیں، اس میں کسی کام مثلاً کاروبار وغیرہ کی ابتداء نہیں کرتے، لڑکیوں کو رخصت نہیں کرتے، اس قسم کے اور بھی کئی کام ہیں جن سے پرہیز کرتے ہیں۔ ان لوگوں کا اعتقاد ہوتا ہے کہ ہر وہ کام جو اس مہینہ میں شروع کیا جائے وہ منحوس یعنی خیر و برکت سے خالی ہوتا ہے۔ یہ سارے اعمال شرکیہ و کفریہ ہیں، اسلام میں ان باتوں کی کوئی اصل نہیں۔ سب دن اللہ کے ہیں اور جو اس نے تقدیر میں لکھ دیا ہے وہ ضرور ہونے والا ہے اس پر ہمارا ایمان واعتقاد ہے۔

آخر میں اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہم سب کو مصائب و پریشانی میں صبر کی توفیق دے اور شرکیہ و کفریہ اعمال سے محفوظ رکھے۔ آمین

اللہ کے مہینہ محرم کا روزہ

● شیخ عبدالجبار انعام اللہ سلفی (استاذ جامعہ رحمانیہ کاندیولی، ممبئی)

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ يَرْفَعُهُ، قَالَ: سُئِلَ : أَيُّ الصَّلَاةِ أَفْضَلُ بَعْدَ الْمَكْتُوبَةِ؟ وَأَيُّ الصِّيَامِ أَفْضَلُ بَعْدَ شَهْرِ رَمَضَانَ؟ فَقَالَ: "أَفْضَلُ الصَّلَاةِ بَعْدَ الصَّلَاةِ الْمَكْتُوبَةِ، الصَّلَاةُ فِي جَوْفِ اللَّيْلِ، وَأَفْضَلُ الصِّيَامِ بَعْدَ شَهْرِ رَمَضَانَ، صِيَامُ شَهْرِ اللَّهِ الْمُحَرَّمِ".(صحیح مسلم،کتاب الصیام،باب فضل صوم المحرم ح:1163)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے کہ: آپ ﷺ سے دریافت کیا گیا: فرض نماز کے بعد کون سی نماز افضل ہے اور ماہ رمضان کے بعد کون سے روزے افضل ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "فرض نماز کے بعد سب سے افضل نماز آدھی رات کی نماز ہے اور رمضان کے مہینے کے بعد سب سے افضل روزے اللہ کے مہینے محرم کے روزے ہیں۔

تشریح: اس حدیث سے کئی اہم باتیں نکل کر سامنے آتی ہیں:

1۔ یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حصولِ دین کے بڑے حریص تھے، اسی ناطے وہ رسول اکرم ﷺ سے ہمیشہ سوال کے خواہاں رہا کرتے تھے۔

2۔ یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ نبی کریم ﷺ اپنے صحابہ کے سوالات کا تشفی بخش جواب بھی دیا کرتے تھے، بنابریں اگر کسی عالم سے کسی مسئلہ کے متعلق پوچھا جائے تو عالم کو چاہیئے کہ اطمینان بخش جواب دے، اسی طرح طالب علم جب استاد سے سوال کرے تو استاد کو چاہیئے کہ طالب علم کو اس طرح جواب دے کہ وہ مطمئن ہوجائے۔

3۔ یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ نماز پنجگانہ ہر عاقل بالغ مسلمان مرد و عورت پر فرض ہے۔

4۔ اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ فرض نمازوں کے بعد بہتر اور برتر نماز تہجد ہے اگرچہ اکثر علماء نے سنن راتبہ کو افضل قرار دیا ہے، کیونکہ تہجد کی نماز میں کلفت ومشقت زیادہ ہے، ریا اور سمعہ کا احتمال بھی کم ہے اور آغاز میں یہ فرض بھی رہی ہے اس لیے آپ ﷺ نے اس کو افضل قرار دیا اور سنن راتبہ، فرض نمازوں کا تتمہ اور تکملہ اور ان میں خشوع وخضوع پیدا کرنے کے اعتبار سے افضل ہیں۔

5۔ اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ ماہ رمضان کے روزوں کے علاوہ نفلی روزے بھی مشروع ہیں۔

6۔ اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ نوافل کی ادائیگی فرائض کی ادائیگی کے بعد ہوگی۔

7۔ اس حدیث میں محرم کو اللہ کا مہینہ قرار دیا گیا ہے، اور محرم کو اللہ کا مہینہ کہنے سے اس کے شرف وفضل کی طرف اشارہ ہے جیسے بیت اللہ، ناقۃ اللہ اور روح اللہ میں اللہ کی طرف نسبت شرف وفضل کے اظہار کے لئے ہے۔

8۔ یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ نفلی روزوں میں اللہ کے مہینے محرم کے روزے سب سے افضل ہیں۔ کیونکہ محرم یہ محترم مہینوں میں

سے ایک ہے، اس سے اسلامی سال کا آغاز بھی ہوتا ہے اور سال کا آغاز اگر خیر وبرکت اور نیک کام سے ہو تو سال کے باقی مہینوں میں بھی خیر وخوبی کے دوام اور ہمیشگی کی امید ہو سکتی ہے۔

خاص طور سے یومِ عاشورہ کا روزہ گزشتہ ایک سال کے گناہوں کا کفارہ ہے۔فرمان نبی ﷺ ہے:"**وَصِيَامُ يَوْمِ عَاشُورَاءَ أَحْتَسِبُ عَلَى اللَّهِ أَنْ يُكَفِّرَ السَّنَةَ الَّتِي قَبْلَهُ**"(صحیح مسلم،کتاب الصیام،باب استحباب صیام ثلاثۃ ایام من کل شھر،ح:1162)

آپ ﷺ نے صرف اس کی فضیلت نہیں بیان کی ہے بلکہ آپ ﷺ نے یہ روزہ رکھا بھی اور صحابہ کرام کو حکم دیا۔ چنانچہ اماں عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں:**كَانَتْ قُرَيْشٌ تَصُومُ عَاشُورَاءَ فِي الْجَاهِلِيَّةِ، وَكَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَصُومُهُ، فَلَمَّا هَاجَرَ إِلَى الْمَدِينَةِ: صَامَهُ وَأَمَرَ بِصِيَامِهِ، فَلَمَّا فُرِضَ شَهْرُ رَمَضَانَ، قَالَ: "مَنْ شَاءَ: صَامَهُ، وَمَنْ شَاءَ: تَرَكَهُ"** عاشوراء کے دن زمانہ جاہلیت میں قریش روزہ رکھا کرتے تھے اور رسول اللہ ﷺ بھی رکھتے۔ پھر جب آپ ﷺ مدینہ تشریف لائے تو آپ ﷺ نے یہاں بھی عاشوراء کے دن روزہ رکھا اور اس کا لوگوں کو بھی حکم دیا۔لیکن رمضان کی فرضیت کے بعد آپ نے اس کو چھوڑ دیا اور فرمایا کہ اب جس کا جی چاہے اس دن روزہ رکھے اور جس کا چاہے نہ رکھے۔(صحیح بخاری،کتاب الصوم،باب صیام یوم عاشوراء، ح:2002،صحیح مسلم،کتاب الصیام،باب صوم یوم عاشوراء ح:1125)

رہی بات یہ ہے کہ اس روزہ کے رکھنے کی کیفیت کیا ہوگی تو بہتر یہ ہے کہ محرم کی نویں اور دسویں تاریخ کو روزہ رکھا جائے کیونکہ آپ ﷺ نے دسویں محرم کو روزہ رکھا اور جب آپ ﷺ کو معلوم ہوا کہ یہود اس دن کا احترام کرتے ہیں تو آپ ﷺ نے ان کی مخالفت کرنے کی خاطر نویں تاریخ کو بھی روزہ رکھنے کا عندیہ ظاہر کیا اور آپ ﷺ نے فرمایا:"**لَئِن بَقِيتُ إلى قابلٍ لأصومنّ التاسِع**" اگر میں آئندہ سال باقی رہا تو نویں محرم کو روزہ رکھوں گا(صحیح مسلم،کتاب الصیام،باب ای یوم یصام فی عاشوراء ح:1134)لیکن آئندہ سال آنے سے پہلے آپ انتقال کر گئے۔اس لئے یہود کی مخالفت میں نویں اور دسویں محرم کو روزہ رکھا جائے۔

لیکن اگر کوئی شخص نویں محرم کو روزہ نہ رکھ سکے تو عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے اثر "**صوموا يوم عاشوراء، وخالفوا فيه اليهود، وصوموا قبله يوماً أو بعده يوماً**" عاشوراء (دس محرم) کا روزہ رکھو،اور یہود کی مخالفت کرتے ہوئے اس سے پہلے ایک روزہ یا اس کے بعد ایک روزہ ملا لیا کرو۔(مسند أحمد 241/1،تفصیل ملاحظہ ہو:تحقیق مشیخۃ ابی طاہر بن ابی الصقر للشیخ الشریف حاتم بن عارف العونی ص:66،68،بحوالہ 12/ اسلامی مہینے ص:162،حافظ صلاح الدین یوسف رحمہ اللہ)۔کی روشنی میں دسویں اور گیارہویں محرم کو بھی روزہ رکھا جا سکتا ہے۔

اور اسی روایت کے پیش نظر شیخ ابن باز رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اگر کوئی تینوں تاریخ یعنی نویں،دسویں اور گیارہویں محرم کا روزہ رکھ لے تو کوئی حرج کی بات نہیں اصل مقصود یہود کی مخالفت ہے۔ شیخ کے الفاظ اس طرح ہیں:**ويستحب أن يصوم قبله يومًا أو بعده يومًا مخالفة لليهود في ذلك، وإن صام الثلاثة جميعًا التاسع والعاشر والحادي عشر فلا بأس؛ لأنه روي عن النبي ﷺ أنه قال: خالفوا اليهود صوموا يومًا قبله ويومًا بعده**(binbaz.org.sa/fatwa)

اللہ تعالیٰ ہمیں صحیح دینی سمجھ عطاء فرمائے اور نبی کریم ﷺ کی سنتوں پر چلنے کی توفیق دے۔آمین

❁ ❁ ❁

ادا ریہ

عدالتِ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین میزانِ انصاف میں

مدیر

دینِ اسلام کا حقیقی مصدر و منبع وحیِ الٰہی ہے، جو اللہ تبارک وتعالیٰ کی جانب سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل کی گئی، خواہ وہ قرآن کریم کی صورت میں ہو یا سنتِ رسول اور احادیثِ نبویہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شکل میں ہو۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس وحیِ الٰہی اور دینِ اسلام کو لینے کے لیے اللہ تبارک وتعالیٰ ہی نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین جیسی مقدس جماعت کو آپ کی صحبت اور آپ پر ایمان وبیعت کے لیے منتخب فرمایا۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا اسلام اور شریعتِ اسلام میں خاص مقام ہے۔ یہ ایک ایسی مقدس جماعت ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کی اُمت کے درمیان پہلا مضبوط واسطہ ہے۔ اس واسطہ کے بغیر نہ تو اُمت تک قرآن کریم پھونچ سکتا تھا اور نہ ہی رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان مبارک سے نکلی ہوئی احادیث اور آپ کی پیاری تعلیمات۔ یہ وہ نفوس قدسیہ ہیں جنہیں رسول محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے روئے زیبا کو دیکھنے کا شرف حاصل ہے اور انھیں خیر القرون کے اولین مرحلے میں تجلیاتِ ایمانی وانوار ربانی کو کتاب وسنت کی شکل میں اپنے سینوں میں سمونے کا بھرپور موقع ملا ہے۔ صحابی کا مطلب ہے دوست یا ساتھی شرعی اصطلاح میں صحابی سے مراد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وہ ساتھی ہیں جو آپ پر ایمان لائے، جنھیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملاقات ودیدار کا شرف ملا اور ایمان کی حالت میں دنیا سے رخصت ہو گئے۔ اس شرف کے اعتبار سے تاریخ میں صحابی اور صحابہ کا یہ لفظ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے انھیں مذکورہ اوصاف کے حاملین ساتھیوں کے ساتھ خاص ہو گیا۔

انبیاء کرام علیہم السلام کے بعد صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی مقدس جماعت تمام مخلوقات میں سب سے افضل اور اعلیٰ ہے۔ یہ عظمت اور فضیلت صرف صحابہ کرام کو ہی حاصل ہے کیوں کہ اللہ نے انہیں دنیا میں ہی مغفرت، جنت اور اپنی رضا کی بشارت دی ہے جس پر بے شمار قرآنی آیات اور احادیث نبویہ شاہد عدل ہیں۔ صحابہ کرام کے ایمان ووفا کا انداز اللہ کو اس قدر پسند آیا کہ اسے بعد میں آنے والے ہر ایمان لانے والے کے لیے کسوٹی قرار دے دیا۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت اور آپ پر ایمان کو دنیا کی ہر چیز حتیٰ کہ اپنے جان ومال سے بھی زیادہ عزیز رکھتے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیغام کو اپنی جانیں قربان کر کے دنیا کے گوشے گوشے میں پھیلانے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہی ہیں۔ یہ انھیں کی جہد مسلسل اور پیہم قربانیوں کا نتیجہ ہے کہ آج دین اسلام پوری دنیا میں آب تاب کے ساتھ موجود ہے۔

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لیے ارشاد فرمایا: ﴿وَلَٰكِنَّ ٱللَّهَ حَبَّبَ إِلَيْكُمُ ٱلْإِيمَٰنَ وَزَيَّنَهُۥ فِى قُلُوبِكُمْ وَكَرَّهَ إِلَيْكُمُ ٱلْكُفْرَ وَٱلْفُسُوقَ وَٱلْعِصْيَانَ ۚ أُو۟لَٰٓئِكَ هُمُ ٱلرَّٰشِدُونَ﴾ [الحجرات:۷] ترجمہ: "لیکن اللہ تعالیٰ نے ایمان کو تمہارا محبوب بنا دیا ہے اور اسے تمہارے دلوں میں زینت دے رکھی ہے اور کفر کو اور گناہ کو اور نافرمانی کو تمہاری نگاہوں میں ناپسندیدہ بنا دیا ہے، یہی لوگ راہ یافتہ ہیں"۔

﴿لَّقَدْ رَضِىَ ٱللَّهُ عَنِ ٱلْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ

ٱلشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِى قُلُوبِهِمْ فَأَنزَلَ ٱلسَّكِينَةَ عَلَيْهِمْ وَأَثَٰبَهُمْ فَتْحًا قَرِيبًا﴾[الفتح:۱۸] ترجمہ:''بلاشبہ یقیناً اللہ ایمان والوں سے راضی ہوگیا، جب وہ اس درخت کے نیچے تجھ سے بیعت کررہے تھے، تو اس نے جان لیا جو ان کے دلوں میں تھا، پس ان پر سکینت نازل کردی اور انہیں بدلے میں ایک قریب فتح عطا فرمائی''۔

﴿وَٱلسَّٰبِقُونَ ٱلْأَوَّلُونَ مِنَ ٱلْمُهَٰجِرِينَ وَٱلْأَنصَارِ وَٱلَّذِينَ ٱتَّبَعُوهُم بِإِحْسَٰنٍ رَّضِىَ ٱللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا۟ عَنْهُ﴾[التوبۃ:۱۰۰] ترجمہ:''اور جو لوگ قدیم ہیں سب سے پہلے ہجرت کرنے والے اور مدد کرنے والے اور جو ان کے پیروکار ہوئے نیکی کے ساتھ، اللہ راضی ہوا اُن سے اور وہ راضی ہوئے اُس سے''۔

صحابہ کرام کو ملنے والے بلند ترین مقام و مرتبے کا ایک موجب اللہ تعالیٰ کی ان کے بارے میں گواہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو پاکیزہ اور ان کے ایمان کو سچا قرار دیا، اور یہ گواہی اللہ رب العالمین کی جانب سے ہے، ایسی گواہی کوئی بھی بشر سلسلہ وحی بند ہونے کے بعد حاصل نہیں کرسکتا۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ اپنی تفسیر (243/4) میں لکھتے ہیں: ''یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں موجود صداقت، وفاداری، فرمانبرداری اور اطاعت گزاری جان لی تھی''۔

* حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: اللہ تعالیٰ نے اپنے سب بندوں کے دلوں پر نظر ڈالی تو محمد ﷺ کے قلب کو ان سب قلوب میں بہتر پایا، ان کو اپنی رسالت کے لیے مقرر کردیا، پھر قلب محمد ﷺ کے بعد دوسرے قلوب پر نظر فرمائی تو اصحابِ محمد کے قلوب کو دوسرے سب بندوں کے قلوب سے بہتر پایا، ان کو اپنے نبی (ﷺ) کی صحبت اور دین کی نصرت کے لیے پسند کرلیا۔(مسند احمد، رقم الحدیث:۳۴۶۸)

* حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا ایک اور قول ہے کہ انہوں نے فرمایا: جو شخص اقتداء کرنا چاہتا ہے اس کو چاہیے کہ اصحابِ رسول اللہ ﷺ کی اقتداء کرے، کیونکہ یہ حضرات ساری اُمت سے زیادہ اپنے قلوب کے اعتبار سے پاک، اور علم کے اعتبار سے گہرے اور تکلف و بناوٹ سے دور اور عادات کے اعتبار سے معتدل، اور حالات کے اعتبار سے بہتر ہیں۔ یہ وہ قوم ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی صحبت اور دین کی اقامت کے لیے پسند فرمایا ہے۔تو تم ان کی قدر پہچانو اور اُن کے آثار کی اتباع کرو، کیونکہ یہی لوگ مستقیم طریق پر ہیں۔(جامع بیان العلم، ابن عبدالبر رقم:۱۸۱۰)

* حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا:''اللہ سے ڈرو، اللہ سے ڈرو میرے صحابہ کے معاملے میں، میرے بعد ان کو (طعن و تشنیع کا) نشانہ نہ بناؤ، کیونکہ جس شخص نے ان سے محبت کی تو میری محبت کے ساتھ ان سے محبت کی، اور جس نے ان سے بغض رکھا تو میرے بغض کے ساتھ ان سے بغض رکھا، اور جس نے ان کو ایذاء پہنچائی اس نے مجھے ایذاء پہنچائی، اور جس نے مجھے ایذاء دی اس نے اللہ تعالیٰ کو ایذاء پہنچائی، اور جو اللہ کو ایذاء پہنچانا چاہتا ہے تو قریب ہے کہ اللہ اس کو عذاب میں پکڑ لے گا''۔(ترمذی، ج:۲،ص:۲۲۵)

بنابریں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے محبت اور ان کے لئے ثابت شدہ افضلیت کو تسلیم کرنا، اور انکی ہر طرح سے قدر و منزلت کرنا ایمان کا حصہ ہے۔ اور انھیں برا بھلا کہنا، ان پر طعن و تشنیع کرنا ایمان میں خلل اور گمراہی کا باعث ہے۔

* حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: (میرے صحابہ کو برا بھلا مت کہو؛ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، تم میں سے اگر کوئی احد پہاڑ کے برابر بھی سونا خرچ کردے تو وہ صحابہ کرام کے خرچ کیے

ہوئے ایک مد بلکہ آدھے مد کو بھی نہیں پہنچ سکتا۔(بخاری:3637)

* اسی طرح حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نبی مکرم ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: (سب سے بہترین لوگ میرے زمانے کے لوگ ہیں، پھر جو ان کے بعد آئیں گے اور پھر جو ان کے بعد آئیں گے۔(بخاری:2652، مسلم:2533)

بنا بریں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے محبت اور ان کے لئے ثابت شدہ افضلیت کو تسلیم کرنا، اور انکی ہر طرح سے قدر و منزلت کرنا ایمان کا حصہ ہے۔

اسی لئے سلف صالحین، محدثین اور ائمہ فقہاء کا یہ اجماعی عقیدہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اگرچہ انبیاء کرام علیہم السلام کی طرح معصوم نہیں ہیں، مگر وہ عادل، ثقہ، مُتقن، نیک، متقی اور انتہا درجہ پرہیزگار اور قابل اعتبار ہیں۔ آسمانِ دیانت وتقویٰ کے درخشندہ ستارے ہیں، ان پر کسی طرح کی طعن وتشنیع اور انکی تنقیص وعیب جوئی ناقص ایمان ہے۔

علامہ خطیب بغدادی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ''اگر صحابہ کرام کی فضیلت کے بارے میں اللہ تعالی کی طرف سے یا رسول اللہ ﷺ کی جانب سے کچھ بھی وارد نہ ہوتا تو صحابہ کرام نے اپنی عملی زندگی میں جو کچھ کر دکھایا وہی ان کی افضلیت کے لیے کافی تھا کہ انہوں نے ہجرت کی، جہاد میں حصہ لیا، اللہ کے دین کی نصرت کی، مال وجان دونوں نچھاور کر دیئے، مد مقابل اگر باپ اور اولاد بھی آئی تو گریز نہیں کیا بلکہ لڑائی ٹھان لی، دین کی بنیاد پر خیر خواہی کی، ایمان ویقین کی پختگی حاصل کی۔ ان تمام امور کی بدولت صحابہ کرام قطعی طور پر عادل ہیں، ان کی ہستیاں پاکباز ہیں، ان کے بعد کوئی جتنا بڑے سے بڑا پاکباز اور متقی آجائے وہ ہمیشہ حضرات صحابہ کرام سے پیچھے ہی رہے گا، ان سے کسی صورت آگے نہیں بڑھ سکتا۔ تمام معتبر علمائے کرام کا صحابہ کرام کے بارے میں یہی متفقہ موقف ہے۔(الکفایۃ:49)

علامہ سفارینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''اہل سنت والجماعت کا اس پر اجماع ہے کہ ہر شخص پر واجب ہے کہ وہ تمام صحابہ کو پاک صاف سمجھے، ان کے لیے عدالت ثابت کرے، ان پر اعتراضات کرنے سے بچے، اور ان کی مدح وتوصیف کرے، اس لیے کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے اپنی کتابِ عزیز کی متعدد آیات میں ان کی مدح وثنا کی ہے۔ اس کے علاوہ اگر اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے صحابہ کی فضیلت میں کوئی بات منقول نہ ہوتی تب بھی ان کی عدالت پر یقین اور پاکیزگی کا اعتقاد رکھنا اور اس بات پر ایمان رکھنا ضروری ہوتا کہ وہ نبی ﷺ کے بعد ساری اُمت کے افضل ترین افراد ہیں، اس لیے ان کے تمام حالات اسی کے متقاضی تھے، انہوں نے ہجرت کی، جہاد کیا، دین کی نصرت میں اپنی جان ومال کو قربان کیا، اپنے باپ بیٹوں کی قربانی پیش کی، اور دین کے معاملے میں باہمی خیر خواہی اور ایمان ویقین کا اعلیٰ مرتبہ حاصل کیا۔(عقیدہ سفارینی:۳۳۸/۲)

امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

''ہم رسول اللہ ﷺ کے تمام اصحاب سے محبت کرتے ہیں اور ان میں سے کسی ایک کی محبت میں افراط اور غلو سے کام نہیں لیتے اور نہ ان میں سے کسی سے براءت کا اظہار کرتے ہیں جو ان سے بغض رکھتا ہے یا ان کو برائی سے یاد کرتا ہے ہم اس سے بغض رکھتے ہیں۔ ہم (تمام صحابہ کرام) کو بھلائی سے یاد رکھتے ہیں۔ ان سے محبت رکھنا دین، ایمان، اور احسان ہے اور ان سے بغض رکھنا کفر، نفاق اور طغیان ہے''۔(شرح العقیدۃ الطحاویۃ:ص۵۲۸)

علامہ ابن حجر مکی رحمہ اللہ حافظ ابن الصلاح اور امام نووی کے حوالے سے رقمطراز ہیں کہ: تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم عادل و متقی تھے، نبی کریم ﷺ کی وفات کے وقت ایک لاکھ چودہ

ہزار صحابہ تھے، قرآن کریم اور احادیثِ طیبہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عدالت وتقویٰ اور جلالتِ شان کی صراحت و وضاحت کررہے ہیں، اور ان کے باہمی مشاجرات و معاملات کے محمل اور تاویلات موجود ہیں۔(الصواعق المحرقۃ:۲/۶۴۰)

اس لیے علمائے سلف کا بجا طور پر موقف یہی ہے کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نہ صرف روایتِ حدیث میں عادل وپاکباز ہیں، بلکہ تمام معاملاتِ زندگی اور اعمالِ حیات میں بھی عادل ومتقی اور پرہیزگار ہیں، تاہم معصوم نہیں ہیں کہ ان سے کوئی خطا اور گناہ سرزد ہی نہ ہو۔ معصوم عن الخطا صرف انبیاء کرام علیہم السلام کی ذواتِ قدسیہ ہیں۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''اہل سنت والجماعت صحابہ کرام کی ہمیشہ توصیف بیان کرتے ہیں، ان کے لیے رحمت کی دعا اور مغفرت طلب کرتے ہیں، تاہم اہل سنت یہ نہیں کہتے کہ صحابہ کرام سے گناہ سرزد نہیں ہوسکتا، یا ان سے اجتہادی غلطی نہیں ہوسکتی، یہ دونوں خوبیاں صرف رسول اللہ ﷺ کی ذات کے ساتھ خاص ہیں؛ کیونکہ آپ ﷺ کے علاوہ جو کوئی بھی مخلوق ہے اس سے گناہ بھی ہوسکتا ہے اور اجتہادی غلطی بھی ہوسکتی ہے، لیکن اس سب کے باوجود انہی کے بارے میں اللہ تعالی کا فرمان ہے کہ:

﴿أُوْلَٰٓئِكَ ٱلَّذِينَ نَتَقَبَّلُ عَنۡهُمۡ أَحۡسَنَ مَا عَمِلُواْ وَنَتَجَاوَزُ عَن سَيِّـَٔاتِهِمۡ﴾ [الاحقاف:۱۶] ترجمہ: ''یہی وہ لوگ ہیں جن کے نیک اعمال ہم قبول فرمالیتے ہیں اور ان کے برے اعمال سے درگزر کرلیتے ہیں''۔ پھر اعمال کی فضیلت شکل وصورت پر محصور نہیں ہوتی بلکہ ان کے نتائج اور انجام پر منحصر ہوتی ہے۔(مجموع الفتاوی:4/434)

اسی لیے باجماع امت صحابہ کرام پر طعن وتشنیع حرام ہے اور انکی تنقیص وتوہین موجب ضلال وگمرہی ہے۔ اس بابت امام ابوزرعہ رحمہ اللہ لکھتے ہے: ''جب تم کسی شخص کو دیکھو کہ وہ صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) میں سے کسی کی بھی تنقیص کررہا ہے تو سمجھ لو کہ وہ زندیق (بددین) ہے، اس لیے کہ قرآن حق ہے، رسول (ﷺ) حق ہیں، جو تعلیمات آپ لے کر آئے وہ حق ہیں، اور یہ سب چیزیں ہم تک پہنچانے والے صحابہ کے سوا کوئی نہیں، تو جو شخص ان کو مجروح کرتا ہے وہ کتاب وسنت کو باطل کرنا چاہتا ہے، لہٰذا خود اس کو مجروح کرنا زیادہ مناسب ہے، اور اس پر گمراہی اور زندقہ کا حکم لگانا زیادہ قرینِ حق وانصاف ہے۔(الکفایہ للخطیب بغدادی:97)

امیر المؤمنین فی الحدیث امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

''میں ایک ہزار سے زائد محدثین اور مشائخ الحدیث سے ملاقات کی سعادت سے بہرہ ور ہوچکا ہوں جس میں اہل حجاز، مکہ و مدینہ، کوفہ، بصرہ، واسط، بغداد، شام، مصر اور اہل جزیرہ کے شیوخ الحدیث اور اہل خراسان کے محدثین شامل ہیں۔ ان شہروں اور ملکوں میں متعدد بار آنے کا موقع میسر رہا ہے۔ اس 46 سالہ عرصے کے دوران میں نے ان ہزار سے زائد شیوخ میں کوئی ایسا شیخ نہیں پایا جو اصحاب رسول ﷺ کی بدگوئی کرتے ہوں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا فرماتی ہیں کہ: لوگوں کو صحابہ کرام کے لیے استغفار کا حکم ہے''۔(شرح اصول اعتقاد اہل السنۃ والجماعۃ للامام اللالکائی:173-175)

اس لیے تمام اہل اسلام کو چاہیے کہ صحابہ کرام کی عدالت ان کی ثقاہت اور ان کی عظمت اور بلند مقام و مرتبے کا اعتراف کریں، ان سے سچی محبت رکھیں اور ان کے نقش قدم کی پیروی کرتے ہوئے ہر طرح سے ان کے خلاف ہرزہ سرائی، ان پر طعن وتشنیع اور ان کی بدگوئی اور تنقیص وتوہین سے اپنے آپ کو بچائیں۔ وما توفیقی إلا باللہ۔

حقائق وشواہد

کربلا کی کہانی حضرت ابوجعفر باقر رحمہ اللہ کی زبانی

● علامہ محمد عطاء اللہ حنیف بھوجیانی رحمہ اللہ

ہر سال محرم جب بھی آتا ہے غالباً خاص سیاسی مقاصد کے لیے واقعاتِ کربلا کی رونے رُلانے والی بہت سی ایسی کہانیوں سے جلسوں، تقریروں اور محافل کا رنگ جمایا جاتا ہے، تاریخی طور پر جن کا ثبوت سخت مخدوش اور مشکوک ہے کیونکہ جس راوی کے ذریعے ہماری تاریخ میں یہ رواج پا گئی ہیں، وہ ایک داستان گو ابومخنف لوط بن یحییٰ (متوفی ۱۷۵ھ) تھا جو ایک کٹر قسم کا دروغ گو غالی شیعہ بتایا جاتا ہے، جیسا کہ رجالِ حدیث اور بعض تاریخ کی کتابوں میں تفصیلاً موجود ہے۔ (میزان الاعتدال: ۴/۱۹، طبع جدید لسان المیزان، نیز دیکھئے: الاصابہ: ۲/۱۷، والبدایۃ والنہایۃ: ۸/۲۰۲)

اولاً تو اس موسم میں حادثے کا تذکرہ کوئی مفید نہیں۔

ثانیاً اگر ناگزیر ہو تو اتنا ہی کافی ہے، جتنا حضرت حسین رحمہ اللہ کے پوتے حضرت ابوجعفر محمد باقر رحمہ اللہ (جو حضرت زین العابدین علی بن حسین رحمہ اللہ کے فرزندِ ارجمند اور اثنا عشری شیعہ حضرات کے ایک ''امام معصوم'' ہیں) کی زبانی تہذیب التہذیب (آٹھویں صدی ہجری کے محدث حافظ ابن حجر عسقلانی کی تالیف) میں مذکور ہے۔ اگرچہ حضرت باقر رحمہ اللہ خود اس حادثے کے وقت موجود نہ تھے، مگر ظاہر ہے کہ انھوں نے یہ سب کچھ اپنے والد سے سنا ہوگا، جو اوّل سے آخر تک اس میں موجود رہے اور تمام صورتِ حالات کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کیا۔

بڑی خصوصیت اس روایت کی یہ ہے کہ بہت حد تک جذباتی رنگ آمیزی سے پاک اور مؤرخانہ طرزِ بیان کی حامل ہے، پھر یہ کہ ایسے شخص (جو خود اس کا راوی بھی ہے) کے اس سوال کے جواب میں ہے جو اہل بیت کی پارٹی کا ہے۔ ''آپ مجھ سے واقعہ کربلا کو اس انداز سے بیان فرمایئے گویا میں خود وہاں موجود ہوں''۔

بنابریں یہ نہیں ہوسکتا کہ موصوف نے کوئی ضروری بات چھوڑ دی ہو، یا عقیدت کیش راوی نے اس میں کتر بیونت کی ہو۔ غالباً یہی بات ہے کہ ''تہذیب التہذیب'' میں اس روایت کا انتخاب کیا گیا اور واقعہ یہ ہے کہ اس سے اس حادثہ فاجعہ کے خدوخال نمایاں طور پر واضح ہوجاتے ہیں، جیسا کہ ہماری ان گزارشات سے اس پر روشنی پڑ سکے گی، جو ان شاء اللہ آخر میں بیان ہوں گی۔ اُمید ہے اس کی زیادہ سے زیادہ اشاعت کی جائے گی تاکہ عوام محرم میں مشہور عام مغالطوں سے واقف ہوسکیں اور بدعات و رسوم جاہلیت سے اجتناب کریں۔ واللہ الموفق۔

روایت حضرت ابوجعفر باقر رحمہ اللہ:

آغاز: روایت کے راوی عمار دُھنی نے کہا کہ میں نے محمد بن علی بن الحسین سے عرض کیا کہ آپ مجھ سے واقعہ قتل حسین رضی اللہ عنہ ایسے انداز سے بیان فرمائیں کہ گویا میں خود وہاں موجود تھا اور یہ سامنے ہو رہا ہے اس پر حضرت محمد باقر رحمہ اللہ نے فرمایا:

''امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے انتقال کے وقت ولید بن عتبہ بن ابی سفیان (حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا بھتیجا اور یزید کا چچیرا بھائی) مدینہ منورہ کا گورنر تھا۔ ولید نے حسب دستور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو

پیغام بھیجا تا کہ ان سے نئے امیر ''یزید'' کے لیے بیعت لیں۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے جواب میں فرمایا کہ سرِ دست آپ سوچنے کی مہلت دیں اور اس بارے میں نرمی اختیار کریں۔ ولید نے ان کو مہلت دے دی۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ مہلت پا کر مکہ معظّمہ تشریف لے گئے۔

دریں اثناء جب کوفہ والوں کو اس کا پتہ چلا کہ حضرت تو مکہ شریف پہنچ گئے ہیں تو انھوں نے اپنے قاصد حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی خدمت میں روانہ کیے اور ان سے درخواست کی کہ آپ کوفہ تشریف لے آئیں ہم اب آپ ہی کے ہو گئے ہیں۔ ہم لوگ یزید کی بیعت سے منحرف ہیں۔ ہم نے گورنر کوفہ کے پیچھے جمعہ پڑھنا بھی چھوڑ دیا ہے۔ اس وقت نعمان بن بشیر انصاری یزید کی طرف سے کوفہ کے گورنر تھے۔ جب اہل کوفہ کی طرف سے اس قسم کی درخواستیں آئیں تو حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے اپنے چچیرے بھائی مسلم بن عقیل کو کوفہ بھیجنے کا پروگرام بنایا تا کہ وہ کوفہ جائیں اور وہاں جا کر صورتِ حال کا اچھی طرح جائزہ لیں، اگر اہل کوفہ کے بیانات صحیح ہوں تو خود بھی کوفہ پہنچ جائیں گے۔

حضرت مسلم کی کوفہ کو روانگی:

قرارداد کے مطابق حضرت مسلم رحمہ اللہ مکہ شریف سے پہلے مدینہ منورہ پہنچے وہاں سے راستہ کی راہ نمائی کے لیے دو آدمی ساتھ لیے اور کوفے کی طرف روانہ ہو گئے جس راستے سے وہ لے گئے اس میں ایک ایسا لق ودق میدان آ گیا جس میں پانی نہ ملنے کے سبب پیاس سے دوچار ہو گئے۔ چنانچہ اسی جگہ ایک راہنما انتقال کر گیا، اس صورتِ حال کے پیش آنے پر حضرت مسلم رحمہ اللہ نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو ایک خط لکھ کر کوفہ جانے سے معذرت چاہی لیکن حضرت ممدوح نے معذرت قبول کرنے سے انکار کر دیا اور لکھا کہ آپ ضرور کوفہ جائیں۔ بنابریں حضرت مسلم رحمہ اللہ کوفہ کی طرف چل دیے۔ وہاں پہنچ کر ایک شخص عوسجہ نامی کے گھر قیام فرمایا۔ جب اہل کوفہ میں حضرت مسلم کی تشریف آوری کا چرچا ہوا تو وہ خفیہ طور پر ان کے ہاں پہنچے اور ان کے ہاتھ پر حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے لیے بیعت کرنے لگے، چنانچہ بارہ ہزار اشخاص نے بیعت کر لی۔ دریں اثناء یزید کے ایک محبّ خاص عبید اللہ بن مسلم بن شعبہ حضرمی کو اس کا پتہ چلا تو اس نے ساری کارروائی کی اطلاع جناب نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ گورنر کو دے دی اور ساتھ ہی کہا یا تو آپ واقعتہً کمزور ہیں یا کوفہ والوں نے آپ کو کمزور سمجھ رکھا ہے، دیکھتے نہیں کہ شہر کی صورتِ حال مخدوش ہو رہی ہے؟ اس پر حضرت نعمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کہ میری ایسی کمزوری جو بر بنائے اطاعتِ الٰہی ہو وہ مجھے اس قوت وطاقت سے زیادہ پسند ہے جو اس کی معصیت میں ہو، مجھ سے یہ نہیں ہو سکتا کہ جس اَمر پر اللہ تعالیٰ نے پردہ ڈالے رکھا ہے، خواہ مخواہ اس پردے کو فاش کروں اس پر عبید اللہ مذکور نے یہ سارا ماجرا یزید کو لکھ کر بھیج دیا۔ یزید نے اپنے ایک آزاد کردہ غلام سرحون نامی سے اس بارے میں مشورہ لیا۔ اس نے کہا: اگر آپ کے والد زندہ ہوتے اور آپ کو کوئی مشورہ دیتے تو اُسے قبول کرتے، یزید نے کہا ضرور! سرحون نے کہا تو پھر مشورہ یہ ہے کہ آپ کوفہ کی گورنری عبید اللہ بن زیاد کے سپرد کر دیں۔ ادھر صورتِ حال ایسی تھی کہ ان دنوں یزید عبید اللہ مذکور پر ناراض تھا اور بصرہ کی گورنری سے بھی اس کو معزول کرنا چاہتا تھا، مگر سرحون کے مشورے پر اس نے اظہارِ پسندیدگی کرتے ہوئے بصرہ کے ساتھ کوفے کی گورنری پر بھی عبید اللہ بن زیاد کو نامزد کر دیا اور لکھ دیا کہ کوفہ پہنچ کر مسلم بن عقیل کو تلاش کرو، اگر مل جائے تو اس کو قتل کر دو۔

ابنِ زیاد کوفے میں اور افشائے راز:

اس حکم کی بنا پر عبید اللہ بصرہ کے چند سر کردہ لوگوں کے ہمراہ

اس حالت میں کوفہ پہنچا کہ اس نے ڈھاٹا باندھ رکھا تھا تا کہ اسے کوئی پہچان نہ سکے، وہ اہل کوفہ کی جس مجلس سے گزرتا ان پر سلام کہتا اور وہ حضرت حسین سمجھ کر ”**وعلیک السلام یا ابن رسول اللہ**“ اے رسول اللہ کے بیٹے آپ پر بھی سلام، سے جواب دیتے، اسی طرح سلام کہتا اور جواب لیتا ہوا وہ قصرِ امارت میں پہنچ گیا۔ وہاں پہنچ کر اس نے اپنے ایک غلام کو تین ہزار درہم دیے اور کہا تم جا کر اس شخص کا پتہ لگاؤ جو کوفے والوں سے بیعت لیتا ہے لیکن دیکھو تم خود کو ’’حمص‘‘ کا باشندہ ظاہر کرنا اور یہ کہنا کہ میں بیعت کرنے کے لیے آیا ہوں اور یہ رقم بھی پیش کرنا چاہتا ہوں تا کہ اپنے مشن کی تکمیل میں اس کو صرف کریں۔ چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا اور بہ لطائف الحیل اس شخص تک اس کی رسائی ہوگئی جو بیعت لینے کا اہتمام کرتا تھا اور اس نے اپنے آنے کی اور امدادی رقم پیش کرنے کی سب بات کہہ ڈالی۔ اُس نے کہا مجھے یہ معلوم کر کے خوشی ہوئی کہ تمہیں ہدایت کا راستہ نصیب ہوا لیکن یہ محسوس کر کے دکھ بھی ہو رہا ہے کہ ہماری اسکیم ابھی پختہ نہیں ہوئی، تاہم وہ اس غلام کو حضرت مسلم بن عقیل کے ہاں لے گیا۔ حضرت مسلم نے اس سے بیعت بھی لے لی اور رقم بھی اس سے قبول کر لی۔ اب وہ یہاں سے نکلا اور عبید اللہ بن زیاد کے پاس سیدھا پہنچا اور سب کچھ اس کو بتلا دیا۔ ادھر حضرت مسلم رحمہ اللہ عبید اللہ کی کوفہ میں آمد کے بعد عوسجہ کا گھر چھوڑ کر ہانی بن عروہ مرادی کے مکان پر فروکش ہوئے اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی خدمت میں لکھ بھیجا کہ بارہ ہزار کی تعداد میں ہماری لوگوں نے بیعت کر لی ہے آپ کوفہ تشریف لے آئیں۔

(اور یہاں یہ ہوا کہ) جب عبید اللہ کو پتہ چل گیا کہ مسلم ہانی کے مکان پر ہیں، تو اُس نے کوفے کے سرکردہ لوگوں سے کہا کہ کیا بات ہے ہانی میرے پاس نہیں آئے؟ اس پر حاضرین سے ایک شخص محمد بن اشعث چند ہمراہیوں کے ساتھ ہانی کے ہاں گئے تو وہ اپنے دروازے پر موجود تھے۔ اشعث نے کہا کہ گورنر صاحب آپ کو یاد فرماتے ہیں اور آپ کے اب تک نہ حاضر ہونے کو بہت محسوس کرتے ہیں۔ لہٰذا آپ کو چلنا چاہیے۔ چنانچہ ان کے زور دینے پر ہانی ان کے ساتھ ہولیے اور وہ عبید اللہ کے پاس پہنچے اور اتفاق سے اس وقت قاضی شریح بھی ابن زیاد کے پاس موجود تھے۔ ان سے مخاطب ہو کر اس نے کہا دیکھو اس ہانی کی چال کھوٹ کی مظہر ہے، پھر اتنے میں وہ اس کے پاس آ گیا تو کہا ہانی! مسلم بن عقیل کہاں ہیں؟ اسنے کہا مجھے علم نہیں، اس پر عبید اللہ نے تین ہزار روپے والے غلام کو اس کے سامنے کر دیا، ہانی بالکل لاجواب ہوگئے۔ البتہ اتنا کہا میں نے انہیں اپنے گھر بلایا نہیں وہ خود بخود میرے گھر آ کر ٹھہر گئے ہیں۔ ابن زیاد نے کہا اچھا ان کو حاضر کرو۔ اس پر پس وپیش کیا تو ابن زیاد نے اپنے قریب منگوا کر اس کے زور سے چھڑی ماری جس سے ان کی بھنویں پھٹ گئیں، اس پر ہانی نے اس کے ایک محافظ سپاہی سے تلوار چھین کر عبید اللہ پر وار کرنا چاہا لیکن وہ کامیاب نہ ہوسکا۔ اس پر ابن زیاد نے یہ کہہ کر کہ اب تمہارا خون حلال ہے۔ قصرِ امارت کے ایک حصے میں اس کو قید میں ڈال دیا۔

اس واقعے کی اطلاع ہانی کے قبیلے مذحج کو ہوئی تو انھوں نے قصرِ امارت پر یلغار بول دی۔ عبید اللہ نے شور سنا اور پوچھا تو کہا گیا ہانی کا قبیلہ ان کو چھڑانے کے لیے چڑھ آیا ہے۔ اُس نے قاضی شریح کے ذریعے ان کو کہلایا کہ ہانی کو مسلم بن عقیل کا پتہ کرنے اور بعض باتوں کی تحقیق کے لیے روک لیا گیا ہے۔ خطرے کی کوئی بات نہیں، لیکن ساتھ ہی قاضی شریح پر بھی ایک غلام کو لگا دیا، یہ معلوم کرنے کے لیے کہ وہ لوگوں سے کیا کہتے ہیں؟ قاضی شریح لوگوں کی طرف جاتے ہوئے ہانی کے پاس

سے گزرے، تو اس نے قاضی صاحب سے کہا کہ میرے بارے میں اللہ سے ڈرنا، ابن زیاد میرے قتل کے درپے ہے۔ تاہم قاضی شریح نے ہجوم کو ابن زیاد والی بات کہہ کر مطمئن کر دیا اور لوگ بھی یہ سمجھ کر مطمئن ہوگئے کہ ہانی کو کوئی خطرہ نہیں۔

حضرت مسلم رحمہ اللہ کو جب ہنگامے کی اطلاع ہوئی تو انھوں نے اپنے ذرائع ابلاغ سے کوفہ میں اعلان کرا دیا، جس کے نتیجہ میں چالیس ہزار لوگ ان کے پاس جمع ہوگئے، جس کو انھوں نے باقاعدہ ایک فوجی دستہ کی شکل دے دی، جس کا مقدمۃ الجیش میمنہ اور میسرہ وغیرہ کی طرف روانہ ہوگیا۔ عبیداللہ کو اس کی اطلاع ہوئی تو اس نے اعیانِ کوفہ کو اپنے قصر میں بلایا۔ جب یہ لشکر قصرِ امارت تک پہنچ گیا تو سردارانِ کوفہ نے اپنے اپنے قبیلے کو دیواروں کے اوپر سے گفتگو کر کے سمجھانا شروع کیا، اب تو مسلم کی فوج کے آدمی کھسکنے شروع ہوئے اور ہوتے ہوتے شام تک صرف پانچ سو رہ گئے۔ حتی کہ رات کے اندھیرے تک وہ بھی چل دے۔ جب حضرت مسلم رحمہ اللہ نے دیکھا کہ وہ تنہا رہ گئے ہیں تو وہ بھی وہاں سے چل پڑے۔ راستہ میں ایک مکان کے دروازہ پر پہنچے تو ایک خاتون اندر سے آپ کی طرف نکلی تو آپ نے اس کو پانی پلانے کے لیے کہا، تو اس نے پانی تو پلا دیا لیکن اندر واپس چلی گئی۔ تھوڑی دیر کے بعد پھر باہر آئی تو آپ کو دروازے پر دیکھ کر اس نے کہا اے اللہ کے بندے! آپ کا اس طرح بیٹھنا مشکوک ہے، یہاں سے چلے جائیں۔ آپ نے کہا: میں مسلم بن عقیل ہوں کیا تم مجھے پناہ دوگی؟ اُس نے کہاں ہاں آجایئے۔ آپ اندر چلے گئے لیکن کرنا خدا کا یہ ہوا کہ اس عورت کا لڑکا محمد بن اشعث کا آزاد کردہ غلام تھا۔ جب اس کو پتہ چلا کہ یہ مسلم بن عقیل ہیں تو اس نے محمد بن اشعث مذکور کو اطلاع دے دی، جس نے فوراً عبیداللہ تک خبر پہنچائی، جس نے اس کے ہمراہ پولیس روانہ کردی اور ان کو مسلم کی گرفتاری کا حکم دے دیا۔ پولیس نے جا کر مکان کا محاصرہ کرلیا، جب کہ مسلم کو خبر تک نہ ہوسکی تھی اب خود کو انھوں نے محصور پایا تو تلوار سونت کر نکل آئے اور پولیس سے مقابلہ کی ٹھان لی۔ لیکن ابن اشعث نے ان کو روک کر کہا کہ میں ذمہ دار ہوں آپ محفوظ رہیں گے۔ پس وہ حضرت مسلم کو ابن زیاد کے پاس پکڑ کر لے گئے۔ چنانچہ ابن زیاد کے حکم سے قصرِ امارت کی چھت پر لے جا کر مسلم رحمہ اللہ کو قتل کر دیا گیا۔

(اِنَّا لِلّٰہِ) اور ان کی لاش بازار میں لوگوں کے سامنے پھینک دی گئی۔ نیز اس کے حکم سے ہانی کو کوڑے کرکٹ کی جگہ تک گھسیٹے ہوئے لے جا کر سولی دے دی گئی! ادھر تو کوفہ میں یہ تک ہوگیا تھا۔ اور

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی روانگی کوفہ:

اُدھر حضرت مسلم چونکہ خط لکھ چکے تھے کہ بارہ ہزار اہل کوفہ نے بیعت کر لی ہے، حضرت حسین رضی اللہ عنہ جلد از جلد تشریف لے آئیں۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ مکہ شریف سے کوفہ کی طرف روانہ ہوگئے۔ تا آنکہ آپ قادسیہ سے صرف تین میل کے فاصلے پر تھے کہ حر بن یزید تمیمی حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے قافلے کو ملا۔ اس نے کہا: کہاں تشریف لے جا رہے ہو؟ آپ نے فرمایا: کوفہ، اُس نے کہا: وہاں تو کسی خیر کی توقع نہیں، آپ کو یہاں سے ہی واپس ہوجانا چاہیے۔ پھر کوفیوں کی بے وفائی اور حضرت مسلم کی قتل کی پوری رُوداد آپ کو سنائی۔

سارا قصہ سن کر حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے تو واپسی کا ارادہ کرلیا لیکن مسلم کے بھائیوں نے یہ کہہ کر جانے سے انکار کر دیا کہ ہم مسلم رحمہ اللہ کا بدلہ لیں گے۔ یا خود بھی مارے جائیں گے۔ اس پر حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے فرمایا تمہارے بغیر میں جی کر کیا کروں گا۔ اب وہ سب کوفہ کی طرف روانہ ہوگئے، جب آپ کو

ابن زیاد کی فوج کا ہراول دستہ نظر آیا تو آپ نے ''کربلا'' کا رُخ کرلیا اور وہاں جا کر ایسی جگہ پڑاؤ ڈالا جہاں ایک ہی طرف سے جنگ کی جاسکتی تھی۔ چنانچہ خیمے نصب کر لیے۔ اس وقت آپ کے ساتھ پینتالیس سو کے قریب پیدل تھے۔

دریں اثنا عبیداللہ نے عمر بن سعد کو جو کوفے کا گورنر تھا بلایا اور اس سے کہا اس شخص حسین رضی اللہ عنہ کے معاملے میں میری مدد کریں! اس نے کہا مجھے تو معاف ہی رکھیے! ابن زیاد نہ مانا۔ اس پر عمر بن سعد نے کہا: پھر ایک شب سوچنے کی مہلت تو دے دیجیے، اس نے کہا ٹھیک ہے، سوچ لو۔ ابن سعد نے رات بھر سوچنے کے بعد صبح آمادگی کی اطلاع دے دی۔

اب عمر بن سعد حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حضرت نے اس کے سامنے یہ تجویز رکھی کہ دیکھو تین باتوں میں سے ایک بات منظور کرلو۔ یا تو مجھے کسی اسلامی سرحد پر چلے جانے دو یا مجھے موقع دو کہ میں براہِ راست یزید کے پاس پہنچ جاؤں اور یا پھر یہ کہ جہاں سے آیا ہوں وہیں واپس چلا جاؤں۔

ابن سعد نے یہ تجویز خود منظور کر کے ابن زیاد کو بھیج دی۔ اس نے لکھا ہمیں یہ منظور نہیں۔ بس ایک ہی بات ہے کہ حسین رضی اللہ عنہ (یزید کے لیے) میری بیعت کریں۔ ابن سعد نے یہی بات حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو پہنچادی، انھوں نے فرمایا ایسا نہیں ہوسکتا۔ اس پر آپس میں لڑائی چھڑ گئی اور حضرت کے سب ساتھی (مظلومانہ) شہید ہوگئے۔ جن میں دس سے کچھ اوپر نوجوان ان کے گھر کے تھے۔ اسی اثناء میں ایک تیر آیا جو حضرت کے چھوٹے بچے پر لگا جو گود میں تھا۔ آپ رضی اللہ عنہ اس سے خون پونچھ رہے تھے اور فرمارہے تھے اے اللہ ہمارے اور ایسے لوگوں کے بارے میں فیصلہ فرما، جنھوں نے پہلے یہ لکھ کر ہمیں یہاں بلایا کہ ہم مدد کریں گے پھر اب وہی ہمیں قتل کر رہے ہیں''۔

اس کے بعد خود تلوار ہاتھ میں لی۔ مردانہ وار مقابلہ کیا اور لڑتے لڑتے شہید ہوگئے! (رضی اللہ عنہ) وہ شخص جس کے ہاتھ سے حسین رضی اللہ عنہ شہید ہوئے، قبیلہ مذحج کا آدمی تھا اگرچہ اس بارے میں دوسرے اقوال بھی متعلقہ تاریخوں میں مذکور ہیں۔

مذحج ہانی کا وہی قبیلہ تھا جس نے قصرِ امارت پر چڑھائی کردی۔ یہ شخص حضرت کا سر تن سے جدا کر کے ابن زیاد کے پاس لے گیا۔ اس نے اس شخص کو آپ کا سر مبارک دے کر یزید کے پاس بھیج دیا۔ جہاں جا کر یزید کے سامنے رکھ دیا گیا۔ ادھر ابن سعد بھی حضرت رضی اللہ عنہ کے اہل خانہ کو لے کر ابن زیاد کے پاس پہنچ گیا اور ان کا صرف ایک لڑکا بچارہ گیا تھا۔ اور وہ بچہ علی بن الحسین زین العابدین تھے اور روایت کے راوی ابوجعفر الباقر کے والد تھے۔ یہ عورتوں کے ساتھ تھے اور بیمار تھے۔ ابن زیاد نے حکم دیا اس بچے کو بھی قتل کر دیا جائے۔ اس پر ان کی پھوپھی زینب بنت علی رضی اللہ عنہا اس کے اوپر گر پڑیں۔ اور فرمایا کہ جب تک میں قتل نہ ہو جاؤں گی اس بچے کو قتل نہ ہونے دوں گی۔ اس صورتحال کے نتیجے میں ابن زیاد نے اپنا یہ حکم واپس لے لیا اور بعدہ اسیرانِ جنگ کو یزید کے پاس بھیج دیا۔

جب حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے بچے کھچے یہ افرادِ خانہ یزید کے دربار میں پہنچے، تو چند درباریوں نے حسبِ دستور یزید کو تہنیت فتح پیش کی۔ ان میں سے ایک شخص نے یہاں تک جسارت کر ڈالی کہ ایک لڑکی کی طرف اشارہ کر کے کہا امیر المؤمنین! یہ مجھے دے دیجیے۔ یہ سن کر حضرت زینب بنت علی رضی اللہ عنہا نے کہا بخدا! یہ نہیں ہوسکتا۔ بجز اس صورت کے کہ یزید دینِ الٰہی سے نکل جائے پھر اس شخص نے دوبارہ کہا تو یزید نے اسے ڈانٹ دیا۔ اس کے بعد یزید نے ان سب کو محل سرا میں بھیج دیا۔ پھر ان کو تیار کرا کے مدینہ روانہ کروا دیا۔ جب یہ لوگ مدینے پہنچے تو خاندانِ

عبدالمطلب کی ایک عورت سر پیٹتی اور روتی ان سے ملنے آئی اور اس کی زبان پر یہ اشعار تھے۔

ما ذا تقولون ان قال النبی لکم
ما ذا فعلتم وانتم آخر الامم
بعترتی و باھلی بعد مفتقدی
منھم اُساریٰ و قتلیٰ ضر جوابدم
ما کان ھٰذا جزائی اذ نصحت لکم
ان تخلفونی بشر فی ذوی رحمی

ملاحظات:

جناب ابوجعفر باقر کا بیان یہاں ختم ہوگیا۔حافظ ابن حجر رحمہ اللہ (الاصابہ :۲/۱۷) حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے تذکرہ میں اس روایت کے بعد لکھتے ہیں:

’’وقد صنف جماعة من القدماء فی مقتل الحسین تصانیف فیھا الغث والسمین والصحیح والسقیم وفی ھذہ القصة التی سقتھا غنی‘‘

’’چند تاریخ نویسوں نے مقتل حسین رضی اللہ عنہ کے بارے میں مستقل کتابیں لکھیں ہیں۔جن میں رطب و یابس، غلط صحیح سب کچھ بھر دیا گیا ہے۔لیکن جس قدر یہ قصہ میں نے ذکر کیا ہے یہی کافی ہے‘‘۔

گورنر مدینہ منورہ ولید بن عتبہ نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو یزید کی حکومت کو تسلیم کرنے کو کہا تاہم معمول کے مطابق حاکمانہ دباؤ ڈالنے کی کوشش نہیں کی۔ ورنہ وہ حضرت کو سوچنے کی مہلت نہ دیتے معلوم ہوا کہ ان کا ذہن صاف تھا۔

قابل غور اولاً یہ بات ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ سوچنے کی مہلت لے کر مکہ معظّمہ کیوں تشریف لے گئے؟ پھر اس کا اظہار انھوں نے ولید سے کیوں نہ فرمایا؟

ثانیاً: حضرت حسین رضی اللہ عنہ اگر واقعی دینی اعتبار سے یزید کے خلاف تھے تو کوفہ کے قریب پہنچ کر مسلم کی شہادت کی خبر ملنے پر کیوں واپس ہونے پر آمادہ ہوگئے؟ کیا جس فرض سے عہدہ برآ ہونے کے لیے آپ مکہ معظّمہ سے نکلے تھے مسلم کے حادثہ قتل کی اطلاع سے وہ ساقط ہوگیا تھا؟

ثالثاً: یہ سوال پیدا ہوتا ہے ان شرائط مصالحت کے متعلق جو عمر بن سعد رضی اللہ عنہ کے سامنے آپ نے رکھیں جس سے پتہ چلتا ہے کہ نہ صرف یہ کہ آپ ہر قسم کے ارادوں سے دست بردار ہوگئے تھے بلکہ یزید کی حکومت تک تسلیم کر لینے پر آمادگی ظاہر کردی۔

رابعاً: اگر آپ کے نزدیک یزید مسلمان نہیں تھا یا آپ اس کو لعنتی اور فاسق وفاجر گردانتے تھے یا اس کو حکومت کا اہل نہیں سمجھتے تھے، تو اس کے پاس جا کر اس کے ہاتھ میں ہاتھ دینے کے لیے کیوں تیار ہوگئے تھے؟ یزید کے ہاں جانے کے مطالبے سے یہ بھی ثابت ہوا کہ حضرت اس کو نہ اپنا دشمن جانتے تھے نہ ظالم وسفاک، بلکہ آپ کو اس سے حسن سلوک کی توقع تھی، اسی لیے جب کوئی اور چارہ کار نہ رہا تو اسی کے پاس پہنچ جانے کی خواہش فرمائی، جیسا کہ اصابہ اور تہذیب ابن عساکر میں ہے۔

ابن زیاد کی فوج سب کوفہ کی تھی اور وہی اس ساری کارروائی کے ذمہ دار ہیں۔ان ظالموں نے عمر بن سعد کی مساعیٔ مفاہمت کو ناکام بنا دیا اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی ایک بات نہ سنی، جس کے نتیجہ میں یہ المناک حادثہ پیش آیا۔

اصل معاملہ اسی قدر ہے باقی سب زیبِ داستان ہے۔اللہ تعالیٰ صحیح سمجھنے کی توفیق عنایت فرمائے۔(دیکھئے: آثار حنیف: ۲/۴۱۰)

دفاعِ حدیث

"الموسوعۃ الحدیثیۃ لمرویات الامام أبی حنیفۃ" میں امام صاحب کی کثرت مرویات کی حقیقت

● ڈاکٹر فاروق عبداللہ نراین پوری (استاد جامعہ اسلامیہ نور باغ، کوسہ، ممبرا)

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی امامت اور جلالت شان متفق علیہ ہے۔فقہ میں ان کی عظمت کو بیان کرنے کے لئے امام شافعی رحمہ اللہ کا یہ قول ہی کافی ہے: "الناس عيال على أبي حنيفة في الفقه" ''لوگ فقہ میں ابوحنیفہ کے محتاج ہیں''۔[تاریخ بغداد:15/474]

حافظ ذہبی رحمہ اللہ اس قول پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:"الإمامة في الفقه ودقائقه مسلمة إلى هذا الإمام، وهذا أمر لا شك فيه". [سیر اعلام النبلاء: 6/403]

''اس میں کوئی شک نہیں کہ فقہ اور اس کی باریکیوں سے واقفیت کے معاملہ میں وہ مسلمہ امام ہیں''۔

ہم دوسرے ائمہ سلف کی طرح ان کا احترام سلامتِ منہج کی علامت سمجھتے ہیں۔اور کتاب وسنت کو انھی سلف صالحین کے فہم کے مطابق سمجھنا ضروری قرار دیتے ہیں۔لیکن کسی ایک کی تقلید کو جائز نہیں سمجھتے، کیونکہ اسی میں ان کے منہج کا حقیقی اتباع ہے۔خود انھوں نے ہمیں یہ راہ دکھلائی ہے۔

جہاں ائمہ سلف کا احترام ضروری ہے وہیں ان کی شان میں غلو کرنا، اور اس غلو میں تدلیس سے کام لینا نہایت ہی مذموم عمل ہے۔دراصل انھیں اس کی ضرورت ہی نہیں کہ ہم ان کے لئے جھوٹی تعریف کے راستے ڈھونڈیں، اور ان کی شان میں جھوٹے قصیدے پڑھیں۔ان کی شان اس سے کہیں اعلی وارفع ہے۔جو لوگ بعض ائمہ کی جھوٹی محبت میں یہ راستہ اپناتے ہیں دراصل ان کا حال وہی ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں بیان فرمایا ہے:

"الْمُتَشَبِّعُ بِمَا لَمْ يُعْطَ كَلاَبِسِ ثَوْبَيْ زُورٍ"

''جو چیز حاصل نہ ہو اس پر فخر کرنے والا اس شخص کی مانند ہے جو فریب کا جوڑا پہنتا ہے''۔[صحیح بخاری: 5219، وصحیح مسلم: 2129]

افسوس کہ بعض حضرات وقتاً فوقتاً ایسی اوچھی حرکت کرتے رہتے ہیں۔اس کی ایک مثال چند مہینے پہلے دیکھنے کو ملی جب شیخ لطیف الرحمن بہرائچی قاسمی صاحب کی کتاب "الموسوعۃ الحدیثیۃ لمرویات الامام ابی حنیفۃ" منظر عام پر آئی۔اس کتاب کا تعارف کراتے ہوئے شیخ کے ہی ایک مرید محمد نعمان مکی نے قصیدہ خوانی شروع کر دی، اور پھر سوشل میڈیا میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے متعلق مبالغہ آمیزی کا ایک دور شروع ہو گیا۔

اس مرید نے کتاب کا تعارف کراتے ہوئے یہ سبب تالیف ذکر کیا ہے کہ "کچھ کم علم اور متعصب افراد نے امام صاحب پر "قلیل الحدیث" اور "یتیم فی الحدیث" وغیرہ ہونے کا الزام لگایا ہے، جو خالص حسد وعناد پر مبنی ہے۔"

دراصل یہ موسوعہ اسی مقصد سے مرتب کیا گیا ہے کہ امام

صاحب پر لگے اس الزام سے ان کو بری کیا جائے۔ چنانچہ آگے اسی تعارفی تحریر میں فرماتے ہیں: "آپ صرف محدث ہی نہیں بلکہ امامِ حدیث، حافظِ حدیث اور صاحبِ "جرح و تعدیل" ہونے کے ساتھ ساتھ، کثیر الحدیث ہونے میں بعد کے محدثین مثلاً امام بخاری و مسلم وغیرہ کے ہم پلہ ہیں؛ جس سے آپ کا علمِ حدیث میں بلند مقام و مرتبہ کا ہونا ظاہر ہے۔"

امام بخاری اور امام مسلم بلکہ اصحاب کتب ستہ اور دیگر اصحاب صِحاح کا مقام و مرتبہ بیان کرنے کی چنداں ضرورت نہیں۔ خود ان کی کتب اس کا جیتا جاگتا ثبوت ہے۔

بلکہ خود صاحب موسوعہ شیخ بہرائچی کا یہ کلام یہ بیان کرنے کے لئے کافی ہے کہ علم حدیث میں ان مصنفین کا مقام و مرتبہ امام صاحب کے مقابلے کتنا بلند ہے۔ فرماتے ہیں: **"بعض أصحاب الصحاح ذكروها في صحاحهم، وهي لا تزيد على واحد أو اثنين غير أن فيه إشعارًا بأن أحاديث الإمام أبي حنيفة غير متروكة في دواوين السنة المعروفة".** [الموسوعۃ الحدیثیہ لمرویات الامام ابی حنیفۃ: 1/33]

خود صاحبِ موسوعہ ان معروف کتب حدیث میں امام صاحب کی ایک دو حدیث مروی ہوجانے کو امام صاحب کے معتبر ہونے کی دلیل بنا رہے ہیں۔ اسی سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے ان محدثین کا علمِ حدیث میں کیا مقام و مرتبہ ہے۔

اس موسوعہ میں حد درجہ تدلیس کرنے (جس کی تفصیل آگے آرہی ہے) کے باوجود امام صاحب کی مرویات کی تعداد 10588 تک پہنچائی گئی ہے، جب کہ امام بخاری تین لاکھ حدیثوں کے حافظ تھے۔ (تاریخ بغداد: 2/346)

اور امام مسلم نے تین لاکھ احادیث سے منتخب کرکے اپنی صحیح کو لکھا تھا۔ (صیانۃ صحیح مسلم: ص 67)

لہٰذا اگر ان کی بات مان بھی لی جائے پھر بھی امام صاحب کا امام بخاری اور امام مسلم کا کثرت روایت میں ہم پلہ ہونے کا دعوی کرنا مضحکہ خیز ہے۔

اب آئیں جائزہ لیتے ہیں کہ جس مقصد سے یہ موسوعہ مرتب کیا گیا ہے اس میں صاحب کتاب کس حد تک کامیاب ہیں۔ کیا حقیقت میں اس موسوعہ سے امام صاحب کے "قلیل الحدیث" ہونے کی نفی ہوجاتی ہے؟

کیا یہ موسوعہ امام صاحب کو "کثیر الحدیث" بلکہ امام بخاری و امام مسلم کا ہم پلہ ثابت کرنے میں کامیاب ہو پاتا ہے؟

شیخ کے خادم و مرید محمد نعمان مکی صاحب اس موسوعہ کے احادیث کی تعداد بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"پھر پندرہ سال کی مسلسل جدو جہد سے پورے ذخیرہ احادیث کو کھنگال کرکے ان کی ترتیب، تبویب اور تہذیب کرکے امام صاحب کی 10613 (دس ہزار چھ سو تیرہ) مرویات جمع کیں۔ اور ان پر تحقیقی کام کیا، اور الحمدللہ اب یہ انسائیکلو پیڈیا، الموسوعۃ الحدیثیۃ لمرویات الامام أبی حنیفۃ کے نام سے عربی میں ۲۰ جلدوں میں شائع ہوکر منظر عام پر آگئی ہے جس میں امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مکمل دفاع، علم حدیث میں آپ کا عظیم مقام اور آپ کی مرویات پر ہوئے کام کا تفصیلی جائزہ لیا گیا ہے۔"

اسی طرح اس موسوعہ کی قصیدہ خوانی کرنے والوں میں ایک معروف نام ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی صاحب کا ہے۔ ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں:

"مولانا کا انتہائی اہم اور قابلِ قدر کارنامہ یہ انسائیکلو پیڈیا

ہے، جس کی اشاعت الموسوعۃ الحدیثیۃ لمرویات الامام ابی حنیفۃ کے نام سے بیس (20) جلدوں میں ہوئی ہے اس میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے مستدلات سے متعلق دس ہزار چھ سو تیرہ (10613) احادیث کو جمع کیا ہے ساتھ ہی احادیث کی تحقیق وتخریج کی ہے اور ان پر تعلیقات ثبت کی ہیں۔ اس کتاب کی ترتیب میں فقہ اور حدیث کی دونوں ترتیبوں کا خیال رکھا گیا ہے۔ ابتدائی تین جلدوں میں تمہیدی مباحث ہیں بارہ جلدوں میں احادیث کی جمع وتحقیق ہے تین جلدیں اعلام اور دو جلدیں فہارس پر ہیں یہ موسوعہ بیروت کے مشہور مکتبہ دار الکتب العلمیۃ سے شایع ہوا ہے۔ یہ کتاب ان لوگوں کا مُسکت جواب ہے جو امام اعظم کے علم حدیث پر سوال اٹھاتے ہیں۔"

لگتا ہے دونوں صاحبان نے کتاب دیکھے بغیر ہی مذکورہ عدد لکھ دیا ہے۔ اگر کتاب دیکھنے کی زحمت گوارا کرتے تو قطعا یہ عدد نہ لکھتے۔ خود صاحب موسوعہ شیخ لطیف الرحمن بہرائچی اس موسوعہ کے مقدمہ (9/1) میں احادیث کی تعداد بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"قد بلغت بفضل الله تعالى المرويات المرفوعة والموقوفة والآثار (10588) عشرة آلاف وخمس مئة وثمانية وثمانين حديثًا بحذف المكرر".

یعنی خود مصنف کے بقول تمام مرفوع، موقوف اور آثار کو ملا کر ان کی کل تعداد دس ہزار پانچ سو اٹھاسی پہنچتی ہے۔ حالانکہ اس عدد میں بھی انھوں نے انتہائی تدلیس سے کام لیا ہے جس کا بیان آگے آرہا ہے، ان شاء اللہ۔

محترم قارئین!

آپ غور کریں کہ امام صاحب کی مرویات کی تعداد کے متعلق اصل اشکال کیا ہے۔ کیا صحابہ وتابعین کے فتاوے نقل کرنے میں انھیں "قلیل الحدیث" کہا جاتا ہے؟ یا نبی ﷺ کی احادیث روایت کرنے میں؟

قطعا جنھوں نے بھی انھیں قلیل الحدیث کہا ہے وہ نبی ﷺ کی احادیث کے متعلق کہا ہے، صحابہ وتابعین کے فتاوے کے متعلق نہیں۔

پھر صحابہ وتابعین کے فتاوے کو مستقل نمبر شمار کرنا تاکہ امام صاحب کی مرویات کی تعداد زیادہ سے زیادہ دکھائی جا سکے کیا یہ تدلیس نہیں؟

اس موسوعہ میں بے شمار مرویات ایسی ہیں جو نبی ﷺ کی حدیث ہیں ہی نہیں، صحابہ کرام یا تابعین عظام کے فتاوے ہیں۔ اور انھیں تسلسل نمبر میں شمار کیا گیا ہے۔

بلکہ اس سے بھی زیادہ تعجب خیز بات یہ ہے کہ اس میں خود امام صاحب کے بے شمار فتاوے ہیں جنھیں تسلسل نمبر میں ایک مستقل نمبر دیا گیا ہے۔

کیا آج تک کسی نے امام صاحب کے ذاتی فتاوے کی تعداد کی وجہ سے انھیں "قلیل الحدیث" کہا ہے؟

پھر ان کے ذاتی فتاوے کو شمار کرکے یہ ہمالیائی تعداد دکھا کر اسے "الموسوعۃ الحدیثیہ لمرویات الامام ابی حنیفۃ" نام دینے کا کیا معنیٰ؟

اگر ان فتاوے کو نکال دیا جائے تو ان کی مرویات کی اصل تعداد کیا بچے گی؟ صاحب موسوعہ اور ان کے مریدین ہم سے زیادہ اچھی طرح جانتے ہیں۔ اس کے باوجود یہ کہنا کہ ان کی احادیث کی تعداد ساڑھے دس ہزار سے زائد ہے کیا یہ سفید جھوٹ نہیں؟

کیا علمائے احناف دنیا کو اس قدر بُدّھو سمجھتے ہیں کہ ان کی

آنکھوں میں اس طرح دھول جھونکنے میں کامیاب ہوجائیں گے؟

یہ تو مرویات کی اقسام کی بات ہوئی۔ اب آتے ہیں اس سے بھی بڑی تدلیس کی طرف جو علمائے احناف اور ان کے مریدین نے کرنے کی کوشش کی ہے۔

کوئی بھی شخص اس تعداد کو سن کر یہی سوچے گا کہ امام صاحب کی احادیث کی تعداد دس ہزار سے زائد ہے۔ انھوں نے دس ہزار سے زائد احادیث روایت کی ہیں۔ اور جب ان کے پاس اتنی زیادہ احادیث تھیں تو انھیں کسی صورت میں "قلیل الحدیث" کہنا مناسب نہیں۔

لیکن میرے بھائیو! حقیقت کچھ اور ہی ہے۔ بلکہ اس میں ایسی قبیح تدلیس سے کام لیا گیا ہے کہ شاید اسلامی تاریخ میں اس کی کوئی دوسری مثال نہ ملے۔

اس سے پہلے کہ اس تدلیس کا پردہ فاش کروں ایک مثال پیش کرنا چاہتا ہوں:

صحیح بخاری کی پہلی حدیث ہے: **"إنما الأعمال بالنيات"**

اس حدیث کو امام یحیی بن سعید الانصاری نے اپنے استاد محمد بن ابراہیم التیمی سے، انھوں نے اپنے استاد علقمہ بن وقاص اللیثی سے، علقمہ نے عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے، اور عمر رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کیا ہے۔

اگر آپ امام یحیی بن سعید الانصاری کی مرویات کو شمار کریں تو یہ ایک حدیث شمار کریں گے یا تین چار سو؟

شاید آپ تین چار سو کا عدد سن کر چونک گئے ہوں گے۔ بات ہے ہی چونکانے والی۔ لیکن چونکئے مت۔ یہ یقینا امام یحیی بن سعید الانصاری کی ایک ہی حدیث ہے، لیکن ان کے بے شمار شاگردوں نے ان سے یہ حدیث روایت کی ہے۔ حافظ ذہبی نے "سیر اعلام النبلاء" (5/476-481) میں ایک دو کر کے ان کے تین سو چالیس شاگردوں کا نام گنایا ہے جنھوں نے ان سے یہ حدیث روایت کی ہے۔ بلکہ حافظ ابو اسماعیل الانصاری الہروی فرماتے ہیں کہ میں نے اس حدیث کو امام یحیی بن سعید الانصاری کے سات سو شاگردوں سے لکھا ہے۔ [دیکھیں: فتح الباری: 1/11-12]

اب اگر کوئی یہ کہے کہ میں آپ کو امام یحیی بن سعید الانصاری کی تین سو چالیس حدیثیں سناتا ہوں اور بار بار ان کے ایک ایک شاگرد کے طریق سے اسی حدیث کو بیان کرے اور کہے کہ یہ ان کی تین سو چالیس حدیثیں ہوگئیں تو آپ ان کے اس فعل کو کیا نام دیں گے؟

یہی کام شیخ لطیف الرحمن بہرائچی قاسمی صاحب نے اس موسوعہ میں کیا ہے۔ ایک ہی حدیث اگر امام صاحب کے دس شاگردوں نے ان سے روایت کیا ہے تو انھیں الگ الگ دس نمبر دیا ہے اور یہ باور کرایا ہے کہ یہ امام صاحب کی دس الگ الگ حدیثیں ہیں۔ حالانکہ اس حدیث کو امام صاحب نے ایک ہی سند سے روایت کیا ہے۔ امام صاحب کے اوپر کی سند ہر جگہ ایک ہی ہے۔ امام صاحب کے شاگرد یا شاگردوں کے شاگرد بس الگ الگ ہیں۔

کوئی یہ نہ کہے کہ روایت کرنے والے الگ الگ ہوں تو محدثین اسے الگ الگ حدیث شمار کرتے ہیں، ایک نہیں۔ وہ دوسری صورت ہے۔ اگر امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے استاد ایک ہی حدیث میں الگ الگ ہوتے، اور مختلف اسانید سے ایک ہی حدیث کو روایت کرتے تو اسے ایک سے زائد بار شمار کرنے میں کوئی حرج نہیں تھا۔ لیکن یہاں معاملہ اس کے بالکل برعکس ہے۔ ان کے استاد ایک ہی ہیں، الگ الگ نہیں۔ لہٰذا اسے ایک سے

زائد شمار کرنے کا کوئی وجہ جواز نہیں۔

شیخ بہرائچی کی کتاب اس طرح کی مثالوں سے بھری پڑی ہے۔ یہاں ان کی کتاب سے بس دو مثالیں پیش کرتا ہوں:

پہلی مثال:

چھٹی جلد، صفحہ تین، حدیث نمبر 1716 میں ہے:

يوسف، عن أبيه، عن أبي حنيفة، عن عبد الملك بن عمير، عن قزعة، عن أبي سعيد الخدري رضي الله عنه، عن النبي ﷺ أنه قال: "لا تسافر المرأة يومين إلا مع زوج، أو ذي محرم، قال: ونهى عن صلاتين: عن صلاة بعد الغداة حتى تطلع الشمس، وبعد العصر حتى تغيب الشمس، وعن صيام الأضحى والفطر، وقال: لا تشد الرحال إلا إلى ثلاثة مساجد: مسجد الحرام، ومسجدي، ومسجد الأقصى".

اس میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے اوپر کی سند ملاحظہ فرمائیں، اس طرح ہے:

"عن عبد الملك بن عمير، عن قزعة، عن أبي سعيد الخدري رضي الله عنه، عن النبي صلى الله عليه وسلم".

اگلے اٹھارہ صفحات تک اسی سند سے یہ حدیث مروی ہے۔ صرف امام صاحب کے شاگرد یا شاگردوں کے شاگرد الگ ہیں۔ ان تمام احادیث میں بہرائچی صاحب نے الگ الگ نمبر بیٹھایا ہے۔ اس طرح ایک ہی حدیث پر انھوں نے پچاس سے زائد نمبرات ڈالے ہیں، جو کہ درحقیقت ایک ہی حدیث ہے، پچاس نہیں۔

اب دوسری مثال ملاحظہ فرمائیں:

اس موسوعہ کی نویں جلد، صفحہ 58، حدیث نمبر 4699 دیکھیں، اس میں ہے:

قال: حدثني أبي، قال: حدثني أبي، قال: وحدثني محمد بن أحمد بن حماد، قال: ثنا محمد بن شجاع الثلجي، قال: ثنا أبو أسامة، ثم قالا: ثنا أبو حنيفة، عن قيس بن مسلم، عن طارق بن شهاب، عن عبد الله بن مسعود عن النبي ﷺ قال: "أفضل الأعمال العج والثج، فأما العج: فالعجيج بالتلبية، وأما الثج: فنحر البدن".

اس میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے اوپر کی سند ملاحظہ فرمائیں، اس طرح ہے: **"عن قيس بن مسلم، عن طارق بن شهاب، عن عبد الله بن مسعود عن النبي ﷺ".**

اگلے دس صفحات تک اسی سند سے یہ حدیث مروی ہے۔ صرف امام صاحب کے شاگرد یا شاگردوں کے شاگرد الگ ہیں۔ بلکہ اکثر میں امام صاحب کے شاگرد ابو اسامہ ہیں۔ ان سے نیچے کی سند میں رواۃ الگ الگ ہیں۔ ان تمام احادیث میں بہرائچی صاحب نے الگ الگ نمبر بیٹھایا ہے۔ اس طرح ایک ہی حدیث پر انھوں نے تیس سے زائد نمبرات ڈال دیے ہیں۔

اس طرح مختلف طرح کی تدلیسوں کے ذریعہ انھوں نے امام صاحب کی مرویات کی یہ تعداد پہنچائی ہے۔ اگر کوئی وقت نکال کر پورے موسوعہ کی ایک ایک حدیث کی جانچ پڑتال کرے تو آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ حقیقی تعداد کیا نکلے گی۔

آخری تنبیہ:

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی اپنی کوئی ذاتی تصنیف نہیں تھی کہ ان مرویات کی ان کی طرف نسبت صد فیصد صحیح تسلیم کر لی جائے۔ بلکہ اس موسوعہ میں جن مصنفین کی مسانید سے احادیث کو جمع کیا گیا ہے ان کے اور امام صاحب کے مابین کئی ایک واسطے ہیں۔ اگر یہ واسطے محدثین کے اصول کے مطابق ثابت ہوں تو امام صاحب کی طرف ان کی نسبت صحیح ہوگی ورنہ انھیں امام صاحب کی مرویات میں شمار کرنا ہی محل نظر ہوگا۔

اوپر جو پہلی مثال ذکر کی گئی، "**أفضل الأعمال العج والثج**" والی، اسے نوح بن دراج اور حسن بن زیاد جیسے کذاب راویوں نے بھی امام صاحب سے روایت کیا ہے۔[دیکھیں: موسوعہ میں حدیث نمبر: 4706، 4714، 4723، 4726، 4729]

نوح بن دراج کو امام ابن معین اور امام ابوداود نے کذاب کہا ہے۔[میزان الاعتدال: 4/276، وتقریب التہذیب: ص 567]

اور حسن بن زیاد کو ابن معین، ابو داود، ابوثور، یعقوب بن سفیان اور عقیلی وغیرہ نے کذاب کہا ہے۔[لسان المیزان: 3/48]

کیا ان کی مرویات کے بارے یہ کہنا جائز ہوگا کہ یہ امام صاحب نے روایت کیا ہے۔ جب ان سے روایت کرنے والا شخص کذاب ہے تو ان سے یہ روایتیں سرے سے ثابت ہی نہیں ہوتیں، لہٰذا ان کی مرویات میں انھیں شمار کرنا ہی صحیح نہیں۔

اس طرح تمام قسم کی تدلیسات کو نکال دیا جائے تو امام صاحب کی اصل مرویات کی صحیح تعداد کیا نکلے گی بتانے کی چنداں ضرورت نہیں۔

خلاصہ کلام یہ کہ اس موسوعہ میں مرویات کی جو تعداد (10588) بتائی گئی ہے اس میں حد درجہ تدلیس سے کام لیا گیا ہے۔ اس میں صحابہ کرام اور تابعین کے فتاوے کے ساتھ ساتھ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے اقوال کو بھی تسلسل نمبر میں شمار کر لیا گیا ہے۔ یہ تعداد مرفوع احادیث کی ہے ہی نہیں۔ اور ان کے اوپر کلام مرفوع احادیث کی روایت کے متعلق ہے۔ آثار یا ذاتی اقوال کے متعلق نہیں۔

دوسری تدلیس یہ کی گئی ہے کہ ایک ہی حدیث بسا اوقات چالیس پچاس بار شمار کی گئی ہے، یہ استدلال کرتے ہوئے کہ امام صاحب سے الگ الگ راویوں نے روایت کیا ہے۔ اگر یہ بات مان لی جائے تو یحییٰ بن سعید الانصاری کی حدیث "**إنما الأعمال بالنيات**" ایک نہیں تقریبا سات سو بار شمار کی جائے گی۔ بلکہ امام صاحب کو جن امام بخاری کے ہم پلہ ہونے کا دعوی کیا گیا ہے ان کی صحیح بخاری کی ہر حدیث کو نوے ہزار بار شمار کرنا پڑے گا، کیونکہ ان سے تقریبا نوے ہزار لوگوں نے اسے سنا ہے۔[سیر اعلام النبلاء: 12/469]

اس طرح امام صاحب کی اصل مرویات کی تعداد بہت تھوڑی نکلے گی۔ اور ان میں بھی امام صاحب سے وہ ثابت ہیں یا نہیں جانچ پڑتال کرنی پڑے گی۔ اس طرح یہ تعداد گھٹ کر مزید کم ہو جائے گی۔

یہ امام صاحب کی کوئی تنقیص نہیں، بلکہ حقیقت کا اعتراف ہے بس۔ اس سے ان کی امامت اور جلالت شان میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ بلکہ اس طرح کی تدلیسات سے ان کی شخصیت کو ٹھیس پہنچتی ہے۔ وہ اس سے کہیں اعلی وارفع ہیں کہ ان کی رفعت شان کے لئے جھوٹ اور تدلیس کا سہارا لیا جائے۔

اللہ تعالی ہمیں حق قبول کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

ماہ صفر اور اس کی بدعات

● شیخ عنایت اللہ سنابلی مدنی (داعی وباحث صوبائی جمعیت اہل حدیث، ممبئی)

الحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام على أشرف الأنبياء والمرسلين، نبينا محمد وعلى آله وصحبه أجمعين و بعد:

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿مَآ أَصَابَ مِن مُّصِيبَةٍ فِي ٱلْأَرْضِ وَلَا فِيٓ أَنفُسِكُمْ إِلَّا فِي كِتَٰبٍ مِّن قَبْلِ أَن نَّبْرَأَهَآ إِنَّ ذَٰلِكَ عَلَى ٱللَّهِ يَسِيرٌ﴾[الحدید:۲۲]''نہ کوئی مصیبت دنیا میں آتی ہے نہ (خاص) تمہاری جانوں میں، مگر اس سے پہلے کہ ہم اس کو پیدا کریں، وہ ایک خاص کتاب میں لکھی ہوئی ہے، یہ (کام) اللہ تعالیٰ پر (بالکل) آسان ہے''۔

وقت اور زمانہ اللہ کی ایک عظیم نعمت ہے جس سے بنی نوع انسان کی بے شمار مصلحتیں وابستہ ہیں۔ وقت کوئی بھی ہو اگر ایک بندۂ مومن اسے اللہ کی اطاعت وبندگی اور نیکی کے کاموں میں گزارے تو وہ اس کے حق میں نیک، مفید اور بابرکت ہوگا اسی طرح اگر کوئی اسے گناہ ومعصیت اور بدعملی میں گزارے تو وہ اس کے لئے برا اور منحوس ہوگا۔ الغرض کوئی وقت یا زمانہ بذات خود اچھا یا برا نہیں ہوتا، بلکہ اس میں واقع ہونے والے اعمال وکردار پر اس کی برکت ونحوست کا دارومدار ہوتا ہے۔ گناہ ومعاصی ہی سب سے بڑی نحوست اور اطاعت ونیکی ہی سب سے بڑی برکت ہے۔

اسلامی سال کا دوسرا مہینہ ''صفر'' کے نام سے جانا جاتا ہے، بدقسمتی سے اس مہینہ میں بھی زمانۂ جاہلیت کی بہت سی بدعتیں مسلمانوں میں درآئی ہیں۔ آیئے کتاب وسنت کی روشنی میں ان امور کا جائزہ لیں:

''صفر'' سے متعلق بعض احادیث:

۱- **عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: إن رسول الله ﷺ قال: "لا عدوى ولا صفر و لا هامة" فقال أعرابي: يا رسول الله ﷺ فما بال إبلي تكون في الرمل كأنها الظباء، فيأتي البعير الأجرب فيدخل بينها يجربها؟ فقال: "فمن أعدى الأول".**

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: چھوت چھات کوئی چیز نہیں، صفر کچھ بھی نہیں، الو کی نحوست کا کوئی تصور نہیں۔ ایک اعرابی نے دریافت کیا، اے اللہ کے رسول ﷺ! پھر آخر کیا وجہ ہے کہ ہمارے اونٹ صحراؤں میں ہرنوں کی مانند ہوا کرتے ہیں، بعد میں ایک خارش زدہ اونٹ ان کے درمیان داخل ہوتا ہے اور ان سبھوں کو خارش زدہ بنا دیتا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: اگر ایسی بات ہے تو پہلا اونٹ خارش میں کیسے مبتلا ہوا؟۔ (متفق علیہ)

اور مسند احمد کی ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: **"خلق الله كل نفس فكتب حياتها و رزقها ومصائبها"** (دیکھئے: الصحیحہ/۱۱۵۲)

''اللہ نے ہر نفس کو پیدا کیا ہے اور اسی کے ساتھ اس کی زندگی، روزی اور مصیبتوں کو بھی لکھ دیا ہے''۔

۲- ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا:

"لا عدوى و لا طيرة ولا هامة ولا صفر".

چھوت چھات کوئی چیز نہیں ، بدشگونی کوئی چیز نہیں ، الو کی نحوست کا کوئی تصور نہیں ،صفر کچھ بھی نہیں ۔(متفق عليه)۔

۳۔ سنن ابو داود کی ایک روایت میں ہے : "سئل مالك رحمہ اللہ عن قوله: "ولا صفر" قال: إن أهل الجاهلية كانوا يحلون صفر، يحلونه عاماً ويحرمونه عاماً ، فقال النبي ﷺ "لا صفر". (ابوداود: ۴/ ۲۳۳/ ۳۹۱۴ صححہ الالبانی)۔"امام مالک رحمہ اللہ سے "لاصفر" کا معنیٰ پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا: زمانۂ جاہلیت میں لوگ ماہ صفر کو حلال کر لیتے تھے ، ایک سال اسے حلال کرتے تھے اور ایک سال حرام، تو آپ ﷺ نے فرمایا: صفر کچھ بھی نہیں ،یعنی صفر کے سلسلہ میں یہ طریقہ حرام ہے"۔

۴۔ عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:"كانوا يرون أن العمرة في أشهر الحج من أفجر الفجور في الأرض، ويجعلون المحرم صفر، ويقولون : إذا برأ الدبر وعفا الأثر وانسلخ صفر، حلت العمرة لمن اعتمر" (متفق علیہ)"لوگوں کا عقیدہ تھا کہ حج کے مہینوں میں عمرہ کرنا روئے زمین کا سب سے بدترین عمل ہے، اور ایسے ہی وہ محرم کو صفر بنا لیا کرتے تھے، اور کہتے تھے : جب حج سے واپسی کے بعد اونٹوں کے جسموں کے گھٹے اور زخم مندمل ہو جائیں اور اس کے سارے نشانات مٹ جائیں اور ماہ صفر ختم ہو جائے تو عازمین عمرہ کے لئے عمرہ حلال ہوگا"۔

۵۔ امام بخاری رحمہ اللہ اپنی صحیح میں فرماتے ہیں: "باب صفر" وهو داء يأخذ البطن". (بخاری مع الفتح ۱۰/۱۷۱)

"صفر کا بیان، جو کہ پیٹ کا ایک مرض ہے"۔

مذکورہ احادیث میں وارد بعض الفاظ کی تشریح:

۱۔ "لا عدوىٰ" چھوت چھات نہیں۔ علامہ ابن رجب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:"اس کا سب سے واضح مفہوم یہ ہے کہ زمانۂ جاہلیت میں لوگوں کا عقیدہ تھا کہ بعض بیماریاں اللہ کی تقدیر اور مشیت کے بغیر بذات خود متعدی ہوتی ہیں اور دوسروں میں سرایت کرتی ہیں۔ چنانچہ اللہ کے نبی ﷺ نے اعرابی کے جواب میں اس مسئلہ کی دوٹوک وضاحت کرتے ہوئے فرمایا: "فمن أعدى الأول" یعنی اگر خارش از خود متعدی ہے تو پہلے اونٹ کو خارش کہاں سے لگی؟ مقصود یہ ہے کہ جس طرح پہلا اونٹ اللہ کی مشیت سے خارش میں مبتلا ہوا بعینہ اسی طرح دوسرے اونٹ بھی۔(لطائف المعارف ص ۶۸)

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس سے زمانۂ جاہلیت کے لوگوں کے عقیدہ کا ابطال مقصود ہے۔(مفتاح دار السعادۃ: ۲/ ۲۳۴)

۲۔ "لا طيرة" بدشگونی نہیں، کہا جاتا ہے کہ"طيرة" ایک قسم کا جادو ہے جس کے ذریعہ عورت اپنے شوہر کے نزدیک محبوب ہونا چاہتی ہے۔ اور "تطیر" کے معنیٰ بدشگونی کے ہیں۔یعنی کسی قول یا فعل یا کسی چیز کو دیکھ کر اپنے حق میں برا تصور کرنا۔(شرح مسلم للنووی: ۱۴/ ۲۱۸)

۳۔"لا صفر" صفر کچھ بھی نہیں، اس کے کئی معانی بتائے گئے ہیں:

۱۔ اس سے مراد ایک قسم کا سانپ ہے، اور اس حدیث سے اس عقیدہ کی نفی مقصود ہے کہ وہ جسے کاٹ لے وہ مر ہی جاتا ہے، چنانچہ اس کی نفی کی گئی کہ موت اللہ کی مشیت کے مطابق اپنے متعینہ وقت پر ہی آئے گی۔(جابر رضی اللہ عنہ راوی حدیث "لاصفر")

۲۔ یہ پیٹ کی ایک بیماری ہے، بتایا جاتا ہے کہ پیٹ میں سانپ نما بڑے بڑے کیڑے ہو جایا کرتے ہیں۔یہ عربوں کے یہاں خارش سے بھی زیادہ متعدی مانا جاتا تھا، نبی کریم ﷺ نے اسے باطل قرار دیا۔(یہ امام بخاری، احمد، طبری وغیرہ کی رائے ہے)(لطائف المعارف ص ۷۴، فتح الباری: ۱۰/ ۱۷۱)

۳۔ اس سے مراد ماہ صفر ہے: اوراس کا دو مفہوم ہے:

۱۔ اس سے زمانۂ جاہلیت کے عقیدۂ ''نسی'' کا ابطال مقصود ہے، لوگ محرم وصفر میں تقدیم وتاخیر کیا کرتے تھے، یعنی محرم کو حلال اور صفر کو حرام کرتے تھے، یہ امام مالک کی رائے ہے۔ (لطائف المعارف،ص ۷۴، فتح الباری: ۱۰/۱۷۱)

۲۔ زمانۂ جاہلیت میں لوگ اس ماہ ''صفر'' کو منحوس سمجھتے تھے اوراس سے بدشگونی لیتے تھے، اور کہتے تھے کہ یہ مہینہ منحوس ہے۔ نبی کریم ﷺ نے اس عقیدہ کو باطل قرار دیا۔ (علامہ ابن رجب رحمہ اللہ نے اسے راجح قرار دیا ہے) (لطائف المعارف،ص ۷۴)

علماء کے اختلاف کو مدنظر رکھتے ہوئے جو بھی مفہوم مراد لیا جائے بہرحال اللہ کے رسول ﷺ نے صفر سے متعلق تمام بے بنیاد عقائد کو باطل قرار دیا ہے۔

ماہ صفر کی بدعات:

جولوگ اس ماہ میں نحوست کا عقیدہ رکھتے ہیں، اس سلسلہ میں من مانے نظریات بھی رکھتے ہیں چنانچہ بعض جاہل اور سادہ لوح حضرات بعض عارفین (صوفیاء) سے نقل کرتے ہیں کہ ہر سال تین لاکھ بیس ہزار بلائیں نازل ہوتی ہیں اور یہ ساری بلائیں ماہ صفر کے آخری بدھ کو اترتی ہیں اور اس وجہ سے یہ دن پورے سال کا دشوار گزار اور مشکل ترین دن ہوتا ہے، چنانچہ جو شخص اس دن چار رکعت نماز پڑھے، ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ ایک مرتبہ، سورۂ کوثر سترہ مرتبہ، سورۂ اخلاص پندرہ مرتبہ اور معوذتین ایک مرتبہ پڑھے اور پھر سلام پھیرنے کے بعد درج ذیل دعا پڑھے، تو اللہ تعالیٰ اسے اپنے فضل وکرم سے اس دن اترنے والی تمام تر بلاؤں اور مصیبتوں سے محفوظ رکھے گا اور سال بھر کوئی مصیبت اس کے قریب بھی نہ پھٹکے گی۔ اور وہ دعا یہ ہے:

''اللهم يا شديد القوة، ويا شديد المحال، يا عزيز، يا من ذلت لعزتك جميع خلقك، اكفني من شر خلقك، يا محسن، يا مجمل، يا متفضل، يا منعم يا متكرم، يا من لا إله إنت، ارحمني برحمتك يا أرحم الراحمين، اللهم بسر الحسن و أخيه، وجده وأبيه وأمه وبنيه، اكفني شر هذا اليوم وماينزل فيه، يا كافي المهمات ويا دافع البليات، فسيكفيكهم الله وهو السميع العليم، وصلى الله على سيدنا محمد وعلى آله وصحبه أجمعين''. ترجمہ: بسم اللہ...اے اللہ، اے سخت طاقتور، اے پختہ تدبیر کرنے والے، اے غالب، اے اللہ جس کی عزت کے تابع تیری ساری مخلوق ہے، اے احسان کرنے والے، اے فضل واحسان اور نوازش وکرم کرنے والے، اے اللہ تیرے سوا کوئی معبود حقیقی نہیں، اے ارحم الراحمین مجھ پر اپنی رحمت برسا، اے اللہ! حسن، ان کے بھائی رضی اللہ عنہما، ان کے نانا (محمد ﷺ)، ان کے والد (علی رضی اللہ عنہ)، ان کی والدہ (فاطمہ رضی اللہ عنہا) اوران کے بیٹوں کے سِر (وسیلہ) سے مجھے اس دن کے شر اوراس میں نازل ہونے والی بلاؤں سے محفوظ رکھ، اے محاذوں میں کافی ہونے والے، اے مصیبتوں کے ٹالنے والے والے''، ''عنقریب اللہ آپ کے لئے ان کے مقابلہ میں کافی ہوگا، وہ سننے اور جاننے والا ہے''۔ وصلی اللہ علی سیدنا محمد وعلی آلہ وصحبہ أجمعین۔ (دیکھئے: رسالہ روی الظمآن فی فضائل الأشہر والأیام،ص ۴)

ملاحظات:

۱۔ مذکورہ خاص تفصیلات کے مطابق مصائب وبلیات کے نازل ہونے کا عقیدہ بے اصل ہے۔

۲۔ مذکورہ نماز بے اصل اور باطل ہے، بالخصوص مذکورہ تفصیلات کے ساتھ کوئی نماز شریعت میں ثابت نہیں۔ یہ محض شریعت اسلامیہ پر جھوٹ اور بہتان ہے۔

۳۔ نماز کے بعد جو دعا وضع کی گئی ہے اس میں اسماء

وصفات الٰہی کے ساتھ شرک باللہ کا عقیدہ بھی موجود ہے، چنانچہ اس میں آل بیت رسول ﷺ کا وسیلہ لیا گیا ہے(**اللهم بسر الحسن...**) جو کہ کھلا شرک ہے۔

۴۔ اس دعا میں جن لوگوں کا وسیلہ لیا گیا ہے وہ آل بیت رسول کے افراد ہیں، جنہیں شیعوں کے عقیدہ میں ''پنج تن پاک'' کہا جاتا ہے۔ چنانچہ اسی بنا پر ان سے اس دعا میں وسیلہ لیا گیا ہے۔

مصائب وبلیات میں شیعہ حضرات علی الاعلان اور فخریہ طور پر یہ شعر بھی پڑھتے ہیں اور دفع بلیات کا عقیدہ رکھتے ہیں:

لي خمسة أطفي بها حر الوباء الحاطمة
المصطفى والمرتضى وابناهما والفاطمة

میرے پاس پانچ ہستیاں ایسی ہیں جن کے ذریعہ میں تباہ کن وبا کی حرارت کو سرد کرتا ہوں: مصطفی ﷺ، علی مرتضی رضی اللہ عنہ، ان کے دونوں بیٹے حسن وحسین رضی اللہ عنہما اور فاطمہ رضی اللہ عنہا۔

یہ بھی پنج تن پاک کا عقیدہ ہے ان سے مشکل کشائی میں وسیلہ لیا گیا ہے، جو کہ شرک ہے۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ یہ تمام باتیں اور ماہ صفر سے متعلق نحوست اور بلاؤں کے نزول کا عقیدہ حرام ہے، اس کی شریعت میں کوئی اصل نہیں، یہ ساری باتیں بلا شبہہ بعض شیعوں اور صوفیوں کی وضع کردہ ہیں۔

اسی طرح یہ لوگ صفر کے آخری بدھ کو جب مغرب وعشاء کے درمیان اپنی مسجدوں میں مجلسیں منعقد کرتے ہیں تو ان کے حلقہ میں ایک شخص ہوتا ہے جو کاغذات پر انہیں انبیاء کرام علیہم السلام پر سلام کی سات آیتیں لکھ کر دیتا ہے۔ ﴿سَلَٰمٌ عَلَىٰ نُوحٍ فِي ٱلْعَٰلَمِينَ﴾[الصافات:۷۹]

''دونوں جہان میں نوح علیہ السلام پر سلامتی ہو''۔

جسے یہ لوگ پانی میں دھو کر پیتے ہیں، اور ان کے عقیدہ کے مطابق اس کی فضیلت کا سبب یہ ہے کہ اسے اس اہم وقت میں تحریر کیا گیا ہے۔ اور پھر اسے تمام گھروں میں بطور تحفہ تقسیم کرتے ہیں۔ (دیکھئے: البدع الحولیہ ص ۱۲۷)

یہ تمام امور بھی بدعات کے قبیل سے ہیں شریعت میں ان کی کوئی دلیل نہیں، بلاشبہہ انبیاء کرام علیہم السلام پر سلامتی ہو لیکن دفع بلا یا کے لئے انہیں پڑھنا، اسے مذکورہ مخصوص طریقہ سے لکھنا اور دھو کر اس کا پانی وغیرہ پینا بدعت وخرافات ہے۔

اسی طرح بعض ملکوں یا بعض شہروں میں کچھ لوگ بدشگونی لیتے ہوئے ماہ صفر کے آخری بدھ کو مریض کی عیادت سے بھی احتراز کرتے ہیں، جب کہ بدشگونی شرک ہے جو کہ حرام ہے۔(اصلاح المساجد ص ۱۱۶)

نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:''**الطيرة شرك، الطيرة شرك**''. ''بدشگونی شرک ہے، بدشگونی شرک ہے''۔(مسلم)

آج بھی ہمارے مسلمان بھائی ماہ ''صفر'' کو منحوس سمجھتے ہیں اور اس میں طرح طرح کے باطل عقائد رکھتے ہیں، چنانچہ نہ اس ماہ میں سفر کرتے ہیں، نہ ہی کسی خوشی وفرحت کی مناسبت کا انعقاد کرتے ہیں، جیسے شادی بیاہ وغیرہ، اور جب مہینہ کا آخری بدھ آتا ہے تو خوب عظیم الشان مجلس منعقد کرتے ہیں، اور شہر ودیہات میں انواع واقسام کے مختلف کھانے اور حلویات وغیرہ پکواتے ہیں اور امراض سے شفایابی کے لئے ہری گھاس پر چلتے ہیں۔ (تحذیر المسلمین عن الابتداع والبدع فی الدین، احمد بن حجر آل بوطامی ص ۲۸۱)

یہ تمام چیزیں بدعات وخرافات ہیں، شریعت اسلامیہ میں ان کی کوئی دلیل نہیں۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم تمام مسلمانوں کو کتاب وسنت کے اصولوں کی روشنی میں عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، اور اس کی چھاؤں میں جینے کی توفیق بخشے۔ آمین

وصلى الله و سلم على نبينا محمد وعلى آله و صحبه۔

قسط دوم

پیغامِ حج

خطبۂ حجۃ الوداع ایک ضابطۂ حیات

● شیخ رشید سمیع سلفی (جامعۃ التوحید، بھیونڈی)

اس مہتم بالشان خطبہ سے ایک اہم ترین پیغام میراث کا نشر ہونا ہے، اللہ کے نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: "إن الله قد أعطى كل ذي حق حقه فلا وصية لوارث".

ترجمہ: بے شک اللہ تعالی نے ہر صاحب حق کو اس کا حق دے دیا ہے لہٰذا وارث کیلئے وصیت نہیں ہے، یہ میراث کا ایک مسئلہ بیان کیا گیا ہے، اس کے علاوہ بھی قرآن و حدیث میں تفصیل سے جزوی مسائل بیان کئے گئے ہیں جو غیر معمولی حکمتوں پر مبنی ہیں، اسلام نے دنیا کو وراثت کا ایک جامع و ہمہ گیر نظام دیا ہے، اسلام سے پہلے میت کے ترکے پر بلاشرکت غیرے قریبی مرد رشتہ دار قابض ہوجاتا تھا اور خواتین رشتہ دار محروم رہ جاتی تھیں، اللہ کے نبی ﷺ کے پاس حضرت سعد بن الربیع کی بیوہ آئیں اور انھوں نے آپ ﷺ سے فریاد کی کہ میرے شوہر فلاں جنگ میں شہید ہوگئے، ان کے بھائی نے میرے شوہر کی پراپرٹی پر قبضہ کرلیا ہے، میری دو بیٹیاں ہیں، میں ان کی پرورش کیسے کروں گی؟ چنانچہ قرآن مجید میں یہ آیات نازل ہوئیں، اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا: ﴿لِّلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ أَوْ كَثُرَ نَصِيبًا مَّفْرُوضًا﴾ [النساء: ۷] "ماں باپ اور خویش واقارب کے ترکہ میں مردوں کا حصہ بھی ہے اور عورتوں کا بھی۔ (جو مال ماں باپ اور خویش واقارب چھوڑ مریں) خواہ وہ مال کم ہو یا زیادہ (اس میں) حصہ مقرر کیا ہے"۔

لوگ اسلام کے تقسیم میراث کے اصولوں پر اعتراض کرتے ہیں اور کہتے ہیں، اسلام نے عورتوں کے ساتھ انصاف نہیں کیا ہے، مردوں کے مقابلے میں عورتوں کو کم حصہ دیا ہے، حقیقت یہ ہیکہ عورتوں کو میراث میں ان کا قرار واقعی حق دینے کیلئے ہی نظام میراث جاری فرمایا تھا، اسلام کا نظام انتہائی متوازن اور معتدل ہے، عورت کا حصہ مرد کے مقابلے میں کم اس لئے ہیکہ عورت پر معاشی ذمے داریاں نہیں ہیں، گھر کے اخراجات کا مکلف مرد کو قرار دیا گیا ہے، اس لئے مرد کا حصہ عورت کا دوگنا ہے تاہم بعض صورتوں میں عورت کا حصہ مرد سے زیادہ ہوتا ہے، اگر اسلام کے نظام میراث پر اہل ایمان عمل پیرا ہوں تو بہت سے مسائل سے امت نجات پاجائے گی، جہیز کے سدباب کیلئے اسلام کے نظام میراث کو رائج کرنے کی ضرورت ہے، ہمارے سماج کا یہ افسوسناک پہلو ہے کہ ہم نے اسلام کے نظام میراث کو پس پشت ڈال دیا ہے، زمانۂ جاہلیت کا طریقہ اختیار کرلیا ہے، اس لئے آج جہیز اور موین جیسی لعنت ہمارے سروں پر مسلط ہے۔

خطبۂ حجۃ الوداع کا ایک اور پیغام سود کی شناعت وقباحت ہے، اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: ألا كل شيئ من أمر الجاهلية تحت قدمي موضوع وربا الجاهلية موضوع، و أوّل ربا أضع ربانا، ربا عباس بن عبد المطلب، فإنه موضوع كله. (مسلم: 2950) "سن لو! جاہلیت کی ہر چیز میرے پاؤں تلے روند دی گئی۔ اور جاہلیت کا سود ختم کردیا

گیا،اور ہمارے سود میں سے پہلا سود جسے میں ختم کر رہا ہوں وہ عباس بن عبدالمطلب کا سود ہے۔اب یہ سارا کا سارا سود ختم ہے‘‘۔

خطبہ حجۃ الوداع میں سود کی حرمت و شناعت بیان کرنا بتاتا ہے کہ سود کس قدر مبغوض اور مکروہ امر ہے، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ’’سود کے اندر ستر قسم کے گناہ پائے جاتے ہیں اور ان میں سے سب سے کم درجے کا گناہ ایسا ہے جیسے کوئی شخص اپنی ماں سے زنا کرے۔‘‘ (سنن ابن ماجہ) اس شناعت کے بعد سود کا معاملہ کتنا سنگین اور قبیح ہوجاتا ہے،مگر افسوس کی بات یہ ہیکہ آج ہمارا معاشرہ سودی نظام میں جکڑا ہوا ہے،سود کو پورے شد و مد کے ساتھ فروغ دیا جارہا ہے،اس کی تباہ کاریوں کو دیکھنے کے بعد بھی لوگ عقل کے ناخن نہیں لیتے اور مسلسل مال کی حرص میں سودی معاملات میں ملوث ہوتے جارہے ہیں،آدمی لون پر گاڑی خریدتا ہے،قسط نہیں بھر پاتا ہے، بینک سے لوگ آکر اس کی گاڑی کھینچ کرلے جاتے ہیں،کتنوں کے سود ادا کرتے کرتے گھر بک گئے، بیوی کے زیورات بک گئے،گھر کی قرقی ہوئی، ذلت و رسوائی ہوئی، پنکھے سے لٹک کر آدمی نے خودکشی کرلی، دادا کا سود باپ بھرتا رہا، باپ کا سود بیٹا بھرتا رہا، نسلا بعد نسل آباء و اجداد کے لئے ہوئے قرض کے سود کو بھرتے رہتے ہیں مگر اصل رقم باقی رہتی ہے اور کئی گنا سود ادا کیا جاچکا ہوتا ہے، اس قسم کے سیکڑوں واقعات ہیں جو بتاتے ہیں کہ سود کس قدر تباہ کن ہے، اس کے باوجود لوگوں کی آنکھیں نہیں کھل رہی ہیں اور سود کی روک تھام نہیں ہو پارہی ہے، سود انسانیت کیلئے ہلاکت ہے ، اس لئے اسلام نے سود کو حرام قرار دیا ہے،سود نام بدل بدل کر ہماری زندگیوں میں داخل ہورہا ہے، کہیں بونس کے نام پر سود لیا جارہا ہے، کہیں ریٹرن کے نام پر سود لیا جارہا ہے، کہیں منافع کے نام پر سود لیا جارہا ہے، کہیں ٹریڈنگ کے نام پر سود لیا جارہا ہے، سود دھیرے دھیرے لفظی التباس کا جامہ پہن کر لوگوں کو دعوت شوق دے رہا ہے، اللہ تعالی نے سود کے معاملے کو جس لب و لہجے میں بیان کیا ہے، اس سے انسان کو بہت زیادہ ڈرنے کی ضرورت ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ ٱتَّقُواْ ٱللَّهَ وَذَرُواْ مَا بَقِيَ مِنَ ٱلرِّبَوٰٓاْ إِن كُنتُم مُّؤۡمِنِينَ ۝٢٧٨ فَإِن لَّمۡ تَفۡعَلُواْ فَأۡذَنُواْ بِحَرۡبٖ مِّنَ ٱللَّهِ وَرَسُولِهِۦۖ وَإِن تُبۡتُمۡ فَلَكُمۡ رُءُوسُ أَمۡوَٰلِكُمۡ لَا تَظۡلِمُونَ وَلَا تُظۡلَمُونَ﴾ [البقرۃ:۲۷۸-۲۷۹] ’’اے ایمان والو! اللہ تعالی سے ڈرو اور جو سود باقی رہ گیا ہے وہ چھوڑ دو اگر تم سچ مچ ایمان والے ہو، اور اگر ایسا نہیں کرتے تو اللہ تعالی سے اور اس کے رسول سے لڑنے کے لئے تیار ہو جاؤ ہاں اگر توبہ کرلو تو تمہارا اصل مال تمہارا ہی ہے، نہ تم ظلم کرو اور نہ تم پر ظلم کیا جائے‘‘۔

خطبہ حجۃ الوداع کا ایک پیغام ابلاغ و ترسیل بھی ہے، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ’’**أَلَا لِيُبَلِّغْ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ فَلَعَلَّ بَعْضَ مَنْ يُبَلَّغُهُ أَنْ يَكُونَ أَوْعَى لَهُ مِنْ بَعْضِ مَنْ سَمِعَهُ**‘‘.(بخاری :4406) ’’ہاں اور جو یہاں موجود ہیں وہ ان لوگوں کو پہنچادیں جو موجود نہیں ہیں، ہوسکتا ہے کہ جسے وہ پہنچائیں ان میں سے کوئی ایسا بھی ہو جو یہاں بعض سننے والوں سے زیادہ اس (حدیث) کو یاد رکھ سکتا ہو‘‘۔

دعوت و تبلیغ اسلام کی ترجیح ہے، تمام انبیاء کرام کی زندگی کا مشن ہے، آپ نے اس کی طرف حاضرین کی توجہ مبذول کرائی، موجودہ دور میں دعوت و تبلیغ کی اہمیت مزید بڑھ جاتی ہے، وسائل و ذرائع کی بہتات نے آج دعوت الی اللہ کے کام کو نہ صرف آسان کیا ہے بلکہ تیز رفتار بھی بنادیا ہے، شر و تخریب کی اشاعت میں جدید ذرائع کا استعمال وسیع پیمانہ پر ہورہا ہے، خیر کی تبلیغ کی

رفتار بہت سست ہے مگر شر کے وارے نیارے ہیں، باطل افکار ونظریات ذہنوں میں انجیکٹ کئے جارہے ہیں، جدید تعلیم یافتہ نوجوان سوشل میڈیا پر لٹ رہے ہیں، گمراہوں کے ہاتھوں میں جدید وسائل آچکے ہیں جہاں بیٹھ کر دن رات شکوک وشبہات پھیلائے جارہے ہیں، صحیح عقیدہ ومنہج کی اشاعت پر روک لگائی جاتی ہے، جدید چمک دمک کے متوالوں کو صحیح منہج میں کشش نظر نہیں آتی، مسالہ دکھائی نہیں دیتا، انگریزی الفاظ سے وہ شادکام نہیں ہوپاتے ہیں، ان کو فلسفیانہ ومنطقیانہ اسلوب میسر نہیں ہے، اس لئے وہ ان چینلوں کی گرد منڈلا رہے ہیں جو ہر مسئلے میں لچک رکھتے ہیں، جو مغربی افکار ونظریات سے اسلام کی قربت دکھاتے ہیں، اسلام کو مغربیت کے سانچے میں ڈھال رہے ہیں، مگر اس سے گھبرانے کی ضرورت بالکل نہیں ہے، اسلام کے خلاف یہ سازش کبھی کامیاب نہیں ہوگی، اسلام اپنی سادگی کے فریم میں ہی جچتا ہے، زمانے کے تقاضوں کے نام پر مغرب کی تقلید کی راہ انسان کو دھیرے دھیرے استشراق، انکار حدیث الحاد اور لبرلزم کی راہ پر ڈال دے گی، ان گندم نما جوفرشوں سے بچنے کی ضرورت ہے، اللہ کے نبی ﷺ نے خطبہ حجۃ الوداع میں اس لئے دعوت کی اہمیت کو اجاگر کیا تاکہ ہر زمانے اور ہر دور میں ہم صحابہ کے منہج کے مطابق دعوت کا کام انجام دیتے رہیں۔

آپ ﷺ نے اپنے اس تاریخی اور دستاویزی خطبے میں ایک انتہائی اہم بات یہ ارشاد فرمائی: ”يأيها الناس! إني قد تركتُ فيكم ما إن اعتصمتُم به فلن تَضِلُّوا أبدًا، كتابَ اللهِ ، و سُنَّةَ نبيِّه“. (صحیح الترغیب ص:40)

”اے لوگو! بے شک میں نے تمہارے درمیان دو چیزیں چھوڑی ہیں، جب تک تم انھیں مضبوطی سے پکڑے رہو گے کبھی گمراہ نہ ہوگے اور کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ ہے“۔

یہی منہج کتاب وسنت اور منہج سلف ہے، خیر اور بھلائی اسی منہج میں ہے، دوسرے مناہج کتاب وسنت کی بنیاد پر استوار نہیں ہیں، وہ بعد کے زمانوں کی پیداوار ہیں، یہ منہج کتاب وسنت کا عکس جمیل ہے، یہ منہج سلف کی فکر، عقیدہ، انداز نظر، عادلانہ سوچ اور طریقۂ عمل پر مبنی ہے، یہ منہج ہر ملاوٹ سے پاک ہے، اس منہج میں افراط وتفریط نہیں ہے، اس میں اعتدال ہے، میانہ روی ہے، فرمان رسول کے مطابق یہی منہج ضلالت وگمراہی سے تحفظ فراہم کرتا ہے، آج اس منہج سے بدگمان کرنے اور شکوک وشبہات میں مبتلا کرنے کی بھرپور کوشش ہورہی ہے، اس کے داعیوں کو تشدد اور انتہا پسندی سے متہم کیا جارہا ہے، انحراف وکجی سے تحذیر کو منہج سے نکالنے پر محمول کیا جارہا ہے، انکار منکر کے عمل کو شخصیت کو مجروح کرنے کے ہم معنی خیال کیا جارہا ہے، اسے اس قدر بھیانک شکل دے دی گئی ہے کہ تحذیر اور انکار منکر سے لوگ ڈر اور خوف محسوس کررہے ہیں، اس کے پیچھے تحریکی سازش اور اخوانی ایجنڈہ ہے، منہج حق سے بدگمان کرنے اور اس سے برگشتہ کرنے کی ہمیشہ سے کوشش جاری ہے، یہ بھی ہوا کا ایک جھونکا ہے جو ان شاءاللہ گذر جائے گا اور اس منہج کی نشر واشاعت ان شاءاللہ جاری وساری رہے گی، خطبۂ حجۃ الوداع میں یہ انتہائی اہم بات آپ ﷺ نے ارشاد فرمائی، اس کے علاوہ بھی کئی اہم پیغامات دیے گئے، خطبۂ حجۃ الوداع ایک دستور حیات ہے، اسے بار بار پڑھنے اور اس سے حکمت و دانائی کے لعل و جواہر نکالنے کی ضرورت ہے، یہ خطبہ ہر بار آپ کو ایمان سے شادکام کرے گا، تقوی سے بہرہ ور کرے گا، ایک تحریک بن کر آپ کی رگوں میں اتر جائے گا، ایک ولولۂ تازہ کا لمس عطا کرے گا، اللہ تعالی ہم سب کو خطبہ حجۃ الوداع کے پیغام کے مطابق اپنی زندگیوں کو ڈھالنے اور اس گامزن رہنے کی توفیق بخشے آمین۔ ۞ ۞ ۞

مولانا ابوالکلام آزاد رحمہ اللہ

ایک دور افتادہ صدا

● پروفیسر نثار احمد فاروقی (سابق صدر شعبۂ عربی دہلی یونیورسٹی)

مولانا ابوالکلام آزاد ہمارے مجاہدین آزادی میں ایک نمایاں مقام رکھتے ہیں، مگر ابوالکلام آزاد محض کسی سیاسی لیڈر کا نام نہیں ہے وہ ایک روشن ستارہ تھا جو آسمان ہند پر طلوع ہوا تھا اس لیے کہ صبح آزادی کی آمد کا اعلان کرے اور بشارت دے کہ اب زندگی ایک نئی کروٹ لے رہی ہے، اب جو دن طلوع ہوگا وہ مظلوموں کی بالادستی، اور ظالموں کی شکست وپستی کا دن ہوگا۔ وہ ایک شعلۂ جوالہ تھا جس نے ظلمتوں کے دامن کو تار تار کر دیا تھا۔ اُس کے قلم نے نصف صدی تک ایسی آگ برسائی کہ سامراجیوں کی توپ وتفنگ کو خاکستر کر دیا؟ اور اس کی زبان نے اپنی خطابت سے وہ سیل بے اماں پیدا کر دیا کہ استعماریت کے سفینے کو دامانِ ساحل تک پہونچنا دوبھر ہو گیا۔

مولانا آزاد پچھلی صدی کے نصف آخر میں پیدا ہوئے تھے اور موجودہ صدی کے نصف اول پر چھائے رہے۔ انھوں نے قدیم تہذیب کے گہوارے میں پرورش پائی تھی مگر ان کا ذہن جدید تھا، خیالات تروتازہ اور شاداب تھے، ان کی شخصیت قدیم وجدید کا سنگم بن گئی تھی جس میں مشرق ومغرب کے دھارے یوں پیوست ہو گئے تھے کہ قدامت کی آبرو اور جدت کی آب وتاب دونوں اپنا جلال و جمال دکھاتے تھے۔

انھوں نے خود کہا ہے:

’’جو کچھ قدیم ہے وہ ورثے میں ملا اور جو کچھ جدید ہے اس کے لیے اپنی راہیں آپ نکالیں۔ میرے لیے وقت کی جدید راہیں بھی ویسی دیکھی بھالی ہیں جس طرح قدیم راہوں میں گام فرسائی کرتا رہا ہوں خاندانی تعلیم اور سوسائٹی نے کو کچھ میرے حوالے کیا تھا میں نے اول روز ہی اس پر قناعت کرنے سے انکار کر دیا تھا اور تقلید کی بندشیں کسی گوشے میں روک نہ سکیں، تحقیق کی تشنگی نے کسی میدان میں ساتھ نہ چھوڑا‘‘۔

انھوں نے رائج الوقت معیار کے مطابق عربی و فارسی کی تعلیم حاصل کی، اسلامی تہذیب وثقافت اور دینیات کا ناقدانہ مطالعہ کیا اور علوم قرآنیہ میں گہری بصیرت پیدا کی، اس کے ساتھ ہی وہ انگریزی ادبیات سے، اور عمر کے آخری دور میں فرانسیسی ادب سے بھی واقفیت حاصل کرتے رہے۔ بنیادی طور پر مولانا آزاد میں اجتہادی فکر موجود تھی اور اپنے ماحول کا سکوت وجمود توڑنے کے لیے وہ ایک انقلابی صدا اور ایک باغی کی للکار بن گئے تھے۔ یہی جذبہ انھیں میدان سیاست میں کھینچ لایا اور انھوں نے تقریباً نصف صدی تک اپنے قلم سے اور اپنی خطابت سے ایسا جادو جگایا کہ غلامی کی زنجیروں میں ہانپتے

ہوئے ہندوستانیوں کے ضمیر کو بیدار کر دیا اور ان میں ایسی غیرت اور اتنا حوصلہ پیدا کر دیا کہ وہ ان زنجیروں کو ریزہ ریزہ کر دیں اور آزادی کے میدان میں قدم بڑھاتے ہوئے ترقی کی منزلوں کی طرف گامزن ہو جائیں۔

سیاست میں مولانا آزاد کا نظریہ خالص وطن پرستی اور متحدہ قومیت کا نظریہ تھا۔ انھوں نے مذہب کا گہرا مطالعہ ضرور کیا تھا مگر اسے کبھی سیاسی نظریات پر غالب نہ آنے دیا اور بڑے قومی مفاد کو مذہبی تنگ نظری کی قربان گاہ پر کبھی نہیں چڑھایا۔ مولانا آزاد کا سیاست میں کود پڑنا کسی ذاتی مفاد یا نام ونمود کی خواہش کا تقاضا نہیں تھا۔ غالب نے ایک فارسی شعر میں کہا ہے کہ میں کچھ اپنی خوشی سے شعر نہیں کہتا، بلکہ خود شعر نے یہ خواہش کی کہ وہ میرا فن بن جائے، اسی طرح سیاست نے مولانا آزاد کو اپنی طرف کھینچ لیا۔ اگر وہ غلامی کا دور نہ ہوتا، اہل وطن ذلت اور استحصال کی زندگی نہ گذار رہے ہوتے تو مولانا آزاد کبھی سیاست کا رُخ نہ کرتے اور اپنے فکر وفلسفہ کے عالمِ دیگر میں مگن رہتے۔ مگر آزادی وطن کے لیے انھوں نے اتنی بڑی قربانی دی کہ اپنے اعلیٰ پائے کے علمی کارنامے بھی نامکمل چھوڑ دیے، یہ علمی دنیا کی ایسی حرماں نصیبی ہے جس کا کبھی کوئی تدراک نہیں ہوسکتا۔ میدان سیاست میں جس نظریاتی پلیٹ فارم پر انھوں نے پہلے دن اپنے قدم جمائے تھے ان میں کوئی لرزش یا لغزش نہ آنے دی نہ اغیار کی بے اعتنائی سے افسردہ ہوئے نہ اپنوں کی بے وفائی کو خاطر میں لائے، مگر ایک موقع پر دل کا ٹانکا کھل گیا ہے تو کیسی حسرت سے کہتے ہیں:

''افسوس تم میں کوئی نہیں جو میری زبان سمجھتا ہو، تم میں کوئی نہیں جو میرا شناسا ہو۔ میں سچ سچ کہتا ہوں کہ تمہارے اس پورے ملک میں میں ایک بے یار وآشنا غریب الوطن ہوں۔

افسوس کہ تم حقیقی اور سچی بات لکھنے والوں کو پسند نہیں کرتے تم نمائش کے پجاری، شور وہنگامے کے بندے اور وقتی جذبات و انفجار و ہیجان کی مخلوق ہو، تم میں نہ امتیاز ہے، نہ نظر، نہ تم جانتے ہو نہ پہچانتے ہو، تم جس قدر تیز دوڑ کر آتے ہو اتنی تیزی کے ساتھ فرار بھی ہو جاتے ہو''۔

دوسرے موقع پر اپنے زخموں کی جھلک یوں دکھاتے ہیں:

''میری زندگی کا سارا ماتم یہ ہے کہ میں اس عہد اور محل کا آدمی نہ تھا مگر اس کے حوالے کر دیا گیا''۔

اکتوبر ۱۹۴۷ء میں جامع مسجد کے منبر سے اُن سے وہ آخری صدا گونجی تھی جس میں ابوالکلام کا پورا جلال و جمال نمایاں ہے اس کے بعد وہ ''منقار زیر پر'' رہے اور رسمی تقریروں سے زیادہ ان کی زبان سے کچھ نہ نکلا۔ انھوں نے کہا:

''سچ پوچھو تو میں ایک جمود ہوں یا ایک دور افتادہ صدا جس نے وطن میں رہ کر بھی غریب الوطنی کی زندگی گذاری ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ جو مقام میں نے پہلے دن اپنے لیے چن لیا تھا وہاں میرے بال و پر کاٹ لیے گئے ہیں یا میرے آشیانے کے لیے جگہ نہیں رہی، بلکہ میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ میرے دامن کو تمہاری دست درازیوں سے گلہ ہے۔ میرا احساس زخمی ہے اور میرے دل کو صدمہ ہے، سوچو تو سہی تم نے کون سی راہ اختیار کی؟ کہاں پہونچے اور اب کہاں کھڑے ہو؟... ابھی کچھ زیادہ عرصہ

نہیں بیتا جب میں نے تم سے کہا تھا کہ دوقوموں کا نظریہ حیاتِ معنوی کے لیے مرض الموت کا درجہ رکھتا ہے اس کو چھوڑ دو، یہ ستون جن پر تم نے بھروسہ کیا ہے نہایت تیزی سے ٹوٹ رہے ہیں لیکن تم نے سنی ان سنی برابر کردی اور یہ نہ سوچا کہ وقت اور اس کی تیز رفتار تمہارے لیے اپنا ضابط تبدیل نہیں کر سکتے... ایک وقت تھا میں نے ہندوستان کی آزادی کے حصول کا احساس دلاتے ہوئے تمہیں پکارا تھا اور کہا تھا جو ہونے والا ہے اس کو کوئی قوم اپنی نحوست سے روک نہیں سکتی۔ ہندوستان کی تقدیر میں سیاسی انقلاب لکھا جا چکا ہے اور اس کی غلامانہ زنجیریں بیسویں صدی کی ہوائے حریت سے کٹ کر گرنے والی ہیں... آج ہندوستان کا جھنڈا اپنے پورے شکوہ سے لہرا رہا ہے۔ یہ وہی جھنڈا ہے جس کی اڑانوں سے حاکمانہ غرور کے دل آزار قہقہے تمسخر کیا کرتے تھے"۔

مولانا آزاد نے سیاست کے لیے صحافت کی راہ اختیار کی، الہلال اور البلاغ اردو ہی میں نہیں بلکہ ہندوستانی صحافت کی تاریخ میں بقائے دوام کی مسند پر بیٹھے ہوئے ہیں۔ الہلال گھپ اندھیرے میں روشنی کی تیز کرن بن کر پھوٹا تھا جس نے خواص کے دل و دماغ کو جھنجھوڑ اور عوام کے لہو کو گرمایا۔ آزادی ہند کی تاریخ میں الہلال کی خدمات کو فراموش کر دیا جائے تو اس سے بڑی احسان فراموشی اور کچھ نہیں ہو سکتی۔

مولانا کا ذوق جمالیات بھی منفرد تھا۔ وہ مذہبی عالم ہونے کے باوجود موسیقی اور مصوری کے رموز و لطائف سے بھی آگاہ تھے۔ فارسی، عربی اور اردو شعر و ادب کا نہایت رچا ہوا مذاق رکھتے تھے اور اپنی تحریروں میں اشعار نگینے کی طرح جڑ دیتے تھے۔ ان کا اسلوب نثر بھی یگانہ و یکتا تھا جس میں ہندوستانی بولی کی صلابت اور کھرا پن، فارسی کی شیرینی اور عربی خطابت کا جبروت ایک دوسرے سے گلے ملتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ ان کی نظر حکیمانہ اور دماغ فلسفیانہ تھا وہ لکھتے یا بولتے تھے تو ان کے جذبات، ماورائے سخن، بھی کوندے کی طرح لپکتے تھے۔ ہندوستان کی سیاسی تاریخ نے ان سے بڑا خطیب اور مقرر پیدا نہیں کیا جس کی آواز دل کے بعید ترین گوشوں کو چھونے لگتی تھی۔

مگر مولانا آزاد کے علم و فضل اور فکر و فلسفہ نے ان کی شخصیت کے گرد متانت اور وقار کا ایک ایسا حصار بھی کھینچ رکھا تھا جس کی وجہ سے وہ کبھی "عوامی لیڈر" نہیں بن سکے، یعنی عوام سے ان کا ربط اتنا براہ راست نہیں تھا جیسا مہاتما گاندھی اور پنڈت نہرو کا تھا۔ تحریک آزادی میں اور اس کے بعد بھی مولانا کی حیثیت دماغ کی سی تھی، گاندھی جی اس تحریک کا ضمیر اور پنڈت نہرو اسکا قلب تھے۔

مذہب میں اجتہادی راہ نکالنا آسان نہیں، بلکہ پُرخطر ہے۔ مولانا آزاد کی مذہبی فکر میں بھی مجتہدانہ شان ہے، انھوں نے مذہبی مسائل و مباحث پر بھی گہری بصیرت اور فکر کے ساتھ لکھا ہے۔ اسلام کے ابتدائی دور سے آج تک قرآن کریم کی سیکڑوں تفسیریں لکھی گئی ہیں، مولانا آزاد نے ترجمان القرآن میں دس پاروں کی تفسیر لکھی ہے اور یہاں بھی ان کی منفرد شان پوری آن بان کے ساتھ موجود ہے۔ سورہ فاتحہ کی جیسی تفسیر انھوں نے کی

ہے اسے تو بلاشبہ علوم قرآنیہ کے ذخیرے میں ایک بے مثال اضافہ کہا جاسکتا ہے۔

مولانا آزاد ایک عبقری یعنی ذہین اور ایک اپنی وضع کے طرح دار دانشور تھے، اس میں مشکل سے کلام ہوسکتا ہے۔عربی کے مشہور شاعر ابوالطیب المتنبی کا قول ہے:

ذوالعقل يشقى فى النعيم بعقله
وأخو الجهالة فى الشقادة ينعم

(یعنی ایک دانشور نعمتوں میں رہ کر بھی کرب و اذیت میں مبتلا رہتا ہے اور جاہل انسان اذیتوں میں بھی عیش کرلیتا ہے) مولانا آزاد کی تحریروں سے ان کے روحانی کرب کا اندازہ لگانا دشوار نہیں، انھوں نے پوری زندگی ایک عظیم قومی مقصد کے لیے وقف کردی، زندگی کا بہترین حصہ جیل کی سلاخوں کے پیچھے گذارا، ایثار وقربانی کے ہر موقع پر آگے رہے اور ایسی بھرپور زندگی گذار کر بھی اس طرح چلے گئے جیسے کوئی دامن جھاڑ کر اٹھ جاتا ہے۔انھیں اس کا یقیناً صدمہ تھا کہ ان کی انتہائی کوشش کے باوجود ملک تقسیم ہوا اور لاکھوں انسان آوارہ و بے خانماں ہوئے، لیکن تقسیم کے بعد وہ برصغیر میں امن وآشتی کے ساتھ قومی یکجہتی کے بڑے علم بردار اور صلح و بقائے باہم کے طلبگار بھی رہے۔انھوں نے آزادی کے بعد اس ملک کی نئی تعمیر کا منصوبہ بنانے میں بھی در پردہ بہت اہم رول ادا کیا اور پنڈت نہرو کے سب سے زیادہ معتمد مشیر بنے رہے۔وہ جانتے تھے کہ اس ملک کو جہاں پانچ سو سے زیادہ بولیاں بولی جاتی ہیں، مختلف مذاہب ہیں، رنگا رنگ تہذیب ہے، طرح طرح کے رسوم وعادات ہیں، اگر کسی ایک شیرازے سے باندھ کر رکھا جاسکتا ہے تو وہ قومی اتحاد ویکجہتی، سیکولرازم اور باہمی رواداری کا شیرازہ ہی ہوسکتا ہے۔اس کے لیے انھوں نے رہنما خطوط بھی بنائے۔مگر فرقہ پرستی کی مسموم ہوائیں اس نقشے کو بھی درہم برہم کرتی رہیں، اوراس نے بھی آخری زمانے میں مولانا آزاد کے ذہنی کرب میں اضافہ کردیا تھا، اگر غیروں کی حکومت ہوتی تو وہ ایک بار پھر میدان میں کود پڑتے مگر اب جو بساط بچھی تھی اس میں ان کا ہاتھ بھی شامل تھا اس لیے وہ اپنے کنج عزلت میں سمٹتے گئے اور بقول خود ایک ''دور افتادہ صدا'' بن کر رہ گئے۔

مگر ہم ہوش کے کانوں سے سنیں تو اس مرد مجاہد کی وہ دور افتادہ صدا آج بھی فضا میں لرزش پیدا کررہی ہے، آج بھی وہ شعلہ نوا، رہ رہ کر ہمارے دلوں کی طرف لپک رہا ہے مگر ہم نے اپنے دل ودماغ کی کھڑکیاں بند کرلی ہیں، وہ آواز تو آتی ہے مگر صدائے بازگشت کی طرح پلٹ جاتی ہے۔اس مردِ آگاہ کی زندگی میں کسی نے اسے نہ پہچانا تو اب جب کہ تین نسلوں کا فاصلہ درمیان میں حائل ہوگیا ہے، کون پہچانے گا، اس وقت جب وہ للکار رہا تھا کسی نے کان نہ دھرے تو اب کون سنے گا، بقول میر ؎

سنگ کو موم کریں پل میں ہماری باتیں
لیکن افسوس یہی ہے کہ کہاں سنتے ہو!

(بحوالہ ابوالکلام آزاد ایک ہمہ گیر شخصیت رشیدالدین خان: ص ٦١٣)

فلسفۂ حج

قسط دوم

حج کی حکمتیں

● تحریر: فضیلۃ الدکتور منقذ بن محمود السقار حفظہ اللہ ● ترجمہ: رضوان اللہ عبدالرؤف سراجی (استاد مرکز الامام البخاری، تلولی)

د- دروس حج میں سے مشرکین کی مخالفت کرنا اوران کے ساتھ سختی کرنا بھی ہے اور حج ایک ایسی عبادت ہے جس کے تمام شعائر اللہ تعالی نے ابراہیم علیہ السلام کے لئے مشروع کیا تھا، اسی سلسلے میں اللہ کے رسول ﷺ فرماتے ہیں: "**كُونُوا عَلَى مَشَاعِرِكُمْ، فَإِنَّكُمُ الْيَوْمَ عَلَى إِرْثٍ، مِنْ إِرْثِ إِبْرَاهِيمَ**" تم لوگ اپنی اپنی جگہوں پر رہو، کیونکہ تم آج ابراہیم علیہ السلام کے وارث ہو۔(سنن ابن ماجۃ:۳۰۱۱،المستدرک علی الصحیحین:۱۶۹۹)

لیکن قریش نے اپنی خواہش کے مطابق اس میں تبدیلی کردی یہاں تک کہ جب نبی ﷺ اس دنیا میں تشریف لائے تو تمام شعائر کو ویسے ہی نافذ کیا جیسے اللہ تعالی نے حکم دیا تھا اور اس چیز کو جسے قریش نے اپنایا تھا اور حسب خواہش تمام احکام میں تبدیلی کردی اسے ترک کردیا، جن جن احکام میں قریش نے تبدیلی کی تھی ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ مقام عرفہ میں وقوف نہیں کرتے تھے بلکہ مزدلفہ میں وقوف کرتے تھے جیسا کہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں: "**فَلَمَّا جَاءَ الإِسْلاَمُ أَمَرَ اللَّهُ نَبِيَّهُ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يَأْتِيَ عَرَفَاتٍ، ثُمَّ يَقِفَ بِهَا، ثُمَّ يُفِيضَ مِنْهَا' فَذَلِكَ قَوْلُهُ تَعَالَى:** ﴿ثُمَّ أَفِيضُواْ مِنْ حَيْثُ أَفَاضَ ٱلنَّاسُ﴾[البقرہ:۱۹۹] جب اسلام آیا تو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم ﷺ کو حکم دیا کہ آپ عرفات میں آئیں اور وہیں وقوف کریں اور پھر وہاں سے مزدلفہ آئیں۔ آیت ﴿ثُمَّ أَفِيضُواْ مِنْ حَيْثُ أَفَاضَ ٱلنَّاسُ﴾ سے یہی مراد ہے۔(صحیح بخاری:۴۵۲۰)

جامع ترمذی کی حدیث میں ہے کہ: "**كَانَتْ قُرَيْشٌ وَمَنْ كَانَ عَلَى دِينِهَا وَهُمُ الحُمْسُ يَقِفُونَ بِالمُزْدَلِفَةِ يَقُولُونَ: نَحْنُ قَطِينُ اللَّهِ، وَكَانَ مَنْ سِوَاهُمْ يَقِفُونَ بِعَرَفَةَ، فَأَنْزَلَ اللَّهُ تَعَالَى:** ﴿ثُمَّ أَفِيضُواْ مِنْ حَيْثُ أَفَاضَ ٱلنَّاسُ﴾[البقرہ:۱۹۹] قریش اور ان کے ہم مذہب لوگ - اور یہ "حمس" کہلاتے ہیں - مزدلفہ میں وقوف کرتے تھے اور کہتے تھے: ہم تو اللہ کے خادم ہیں (یعنی ہم حرم کے رہنے والے ہیں اور حرم سے نہیں نکلیں گے اس لئے عرفات نہیں جاتے)، اور جو ان کے علاوہ لوگ تھے وہ عرفہ میں وقوف کرتے تھے تو اللہ نے آیت کریمہ: ﴿ثُمَّ أَفِيضُواْ مِنْ حَيْثُ أَفَاضَ ٱلنَّاسُ﴾ (اور تم بھی وہاں سے لوٹو جہاں سے لوگ لوٹتے ہیں) نازل فرمائی۔(جامع الترمذی:۸۸۴)

اس حدیث کا معنی ہے کہ: "**أَنَّ أَهْلَ مَكَّةَ كَانُوا لَا يَخْرُجُونَ مِنَ الحَرَمِ، وَعَرَفَةُ خَارِجٌ مِنَ الحَرَمِ، وَأَهْلُ مَكَّةَ كَانُوا يَقِفُونَ بِالمُزْدَلِفَةِ، وَيَقُولُونَ: نَحْنُ قَطِينُ اللَّهِ، يَعْنِي: سُكَّانَ اللَّهِ، وَمَنْ سِوَى**

أَهْلِ مَكَّةَ كَانُوا يَقِفُونَ بِعَرَفَاتٍ، فَأَنْزَلَ اللَّهُ تَعَالَى: ﴿ثُمَّ أَفِيضُواْ مِنْ حَيْثُ أَفَاضَ ٱلنَّاسُ﴾ [البقرہ:۱۹۹]، وَالحُمْسُ هُمْ أَهْلُ الحَرَمِ" اہل مکہ حرم سے باہر نہیں جاتے تھے اور عرفہ حرم سے باہر ہے، اہل مکہ مزدلفہ ہی میں وقوف کرتے تھے اور کہتے تھے: ہم اللہ کے آباد کئے ہوئے لوگ ہیں، اور اہل مکہ کے علاوہ لوگ عرفات میں وقوف کرتے تھے تو اللہ نے حکم نازل فرمایا: ﴿ثُمَّ أَفِيضُواْ مِنْ حَيْثُ أَفَاضَ ٱلنَّاسُ﴾ تم بھی وہاں سے لوٹو جہاں سے لوگ لوٹتے ہیں۔

"حمس" سے مراد اہل حرم ہیں۔ (جامع الترمذی: ۸۸۴)

سنن ابن ماجہ کی روایت ہے جس میں عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: "قَالَتْ قُرَيْشٌ: نَحْنُ قَوَاطِنُ الْبَيْتِ، لَا نُجَاوِزُ الْحَرَمَ، فَقَالَ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ: ﴿ثُمَّ أَفِيضُواْ مِنْ حَيْثُ أَفَاضَ ٱلنَّاسُ﴾ [البقرہ:۱۹۹]" قریش کہتے تھے کہ ہم بیت اللہ کے رہنے والے ہیں، حرم کے باہر نہیں جاتے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ: ﴿ثُمَّ أَفِيضُواْ مِنْ حَيْثُ أَفَاضَ ٱلنَّاسُ﴾ (پھر تم بھی وہیں سے لوٹو جہاں سے اور لوگ لوٹتے ہیں یعنی عرفات سے) نازل کیا۔ (سنن ابن ماجۃ: ۳۰۱۸)

اس سلسلے میں اللہ کے رسول ﷺ نے جان بوجھ کر مخالفت کی جیسا کہ صحیح مسلم میں جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ: "فَسَارَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَا تَشُكُّ قُرَيْشٌ إِلَّا أَنَّهُ وَاقِفٌ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ، كَمَا كَانَتْ قُرَيْشٌ تَصْنَعُ فِي الْجَاهِلِيَّةِ، فَأَجَازَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتَّى أَتَى عَرَفَةَ" اور رسول اللہ ﷺ چلے اور قریش یقین کرتے تھے کہ آپ ﷺ مشعر الحرام میں وقوف کریں گے جیسے سب قریش کے لوگوں کی ایام جاہلیت میں عادت تھی، آپ ﷺ وہاں سے آگے بڑھ گئے یہاں تک کہ عرفات پہنچے۔ (صحیح مسلم: ۱۲۱۸)

سفیان رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: "وكان الشيطان قد استهواهم فقال لهم: إنكم إن عظمتم غير حرمكم استخف الناس بحرمكم، فكانوا لا يخرجون من الحرم" شیطان انہیں ورغلایا یہ کہہ کر کہ تم نے حرم کے علاوہ دیگر سرزمین کو عظمت بخشا لیکن غیروں نے حرم کی توقیر نہ کی بلکہ اسے ہلکے میں لیا ان کے دل میں یہی بات بیٹھ گئی پھر وہ حرم سے نکلنا گوارہ نہیں کرتے تھے۔ (فتح الباری: ۵۱۶/۳)

مشرکین مقام عرفہ سے دوپہر ہی میں روانہ ہو جاتے تھے لیکن آپ ﷺ ان کی مخالفت کرتے ہوئے سورج غروب ہونے کے بعد روانہ ہوئے جیسا کہ امام ابن حاتم رضی اللہ عنہ نے عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ: "كَانَ أَهْلُ الْجَاهِلِيَّةِ يَقِفُونَ بِعَرَفَةَ حَتَّى إِذَا كَانَتِ الشَّمْسُ عَلَى رُءُوسِ الْجِبَالِ كَأَنَّهَا الْعَمَائِمُ عَلَى رُءُوسِ الرِّجَالِ دَفَعُوا، فَيَقِفُونَ بِالْمُزْدَلِفَةِ حَتَّى إِذَا طَلَعَتِ الشَّمْسُ، فَكَانَتْ عَلَى رُءُوسِ الْجِبَالِ كَأَنَّهَا الْعَمَائِمُ عَلَى رُءُوسِ الرِّجَالِ دَفَعُوا، فَأَخَّرَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الدَّفْعَةَ مِنْ عَرَفَةَ حَتَّى غَرَبَتِ الشَّمْسُ، ثُمَّ صَلَّى الصُّبْحَ بِالْمُزْدَلِفَةِ حِينَ طَلَعَ الْفَجْرُ، ثُمَّ دَفَعَ حِينَ أَسْفَرَ كُلُّ شَيْءٍ فِي الْوَقْتِ الْآخِرِ قَبْلَ أَنْ تَطْلُعَ الشَّمْسُ" اہل جاہلیت مقام عرفہ میں وقوف کرتے تھے، حتی کہ جب سورج

پہاڑوں کے سروں پر پگڑی کی طرح ہوتا تو وہ وہاں سے چلتے اور آ کر مقام مزدلفہ میں وقوف کرتے حتیٰ کہ جب سورج پہاڑوں کے سروں پر پگڑی کی طرح ہوتا تو وہ وہاں سے چلتے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عرفہ سے روانگی کو سورج کے غروب ہونے تک مؤخر کردیا، پھر جب سورج طلوع ہوتا تو مقام مزدلفہ میں آپ نے فجر کی نماز ادا کی، پھر سورج کے طلوع ہونے سے پہلے آپ وہاں سے روانہ ہوئے جب ہر چیز ظاہر ہوگئی۔(صحیح ابن خزیمۃ: ۲۸۳۸)

مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:"**خَطَبَنَا رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ بِعَرَفَةَ فَحَمِدَ اللّٰهَ، وَأَثْنَى عَلَيْهِ، ثُمَّ قَالَ: أَمَّا بَعْدُ، فَإِنَّ أَهْلَ الشِّرْكِ وَالْأَوْثَانِ، كَانُوا يَدْفَعُونَ مِنْ هَا هُنَا عِنْدَ غُرُوبِ الشَّمْسِ، حِينَ تَكُونُ الشَّمْسُ عَلَى رُءُوسِ الْجِبَالِ مِثْلَ عَمَائِمِ الرِّجَالِ عَلَى رُءُوسِهَا، فَهَدْيُنَا مُخَالِفٌ لِهَدْيِهِمْ، وَكَانُوا يَدْفَعُونَ مِنَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ عِنْدَ طُلُوعِ الشَّمْسِ عَلَى رُءُوسِ الْجِبَالِ، مِثْلَ عَمَائِمِ الرِّجَالِ عَلَى رُءُوسِهَا فَهَدْيُنَا مُخَالِفٌ لِهَدْيِهِمْ**" ہمیں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مقام عرفہ میں خطبہ دیا تو اللہ کی حمد وثنا بیان کیا پھر کہا کہ اہل شرک یہاں سے غروب کے وقت جاتے تھے جس وقت سورج پہاڑوں کے سروں پر پگڑی کی طرح ہوتا تھا تو ہماری رہنمائی ان کے مخالف ہے، اسی طرح مشعر حرام سے وہ سورج کے طلوع ہونے کے وقت جاتے تھے جس وقت سورج پہاڑوں کے سروں پر پگڑی کی طرح ہوتا تھا تو ہماری رہنمائی ان کے مخالف ہے۔(المستدرک علی الصحیحین للحاکم: ۳۰۹۷)

دور جاہلیت کی مخالفت میں سے توشے کا لے جانا بھی ہے جیسا کہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا بیان کیا ہے کہ:"**كَانَ أَهْلُ الْيَمَنِ يَحُجُّونَ وَلاَ يَتَزَوَّدُونَ، وَيَقُولُونَ: نَحْنُ الْمُتَوَكِّلُونَ، فَإِذَا قَدِمُوا مَكَّةَ سَأَلُوا النَّاسَ، فَأَنْزَلَ اللّٰهُ تَعَالَى:** ﴿وَتَزَوَّدُوا۟ فَإِنَّ خَيْرَ ٱلزَّادِ ٱلتَّقْوَىٰ﴾ [البقرۃ: ۱۹۷] یمن کے لوگ راستے کا خرچ ساتھ لائے بغیر حج کے لیے آجاتے تھے، کہتے تو یہ تھے کہ ہم توکل کرتے ہیں لیکن جب مکہ آتے تو لوگوں سے مانگنے لگتے، اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی (اور توشہ لے لیا کرو کہ سب سے بہتر توشہ تو تقویٰ ہی ہے)۔(صحیح بخاری: ۱۵۲۳)

(**نَحْنُ الْمُتَوَكِّلُونَ**) کا معنی کیا ہے؟ صاحب عون المعبود لکھتے ہیں کہ:"**وَالْحَالُ أَنَّهُمُ الْمُتَآكِلُونَ أَوِ الْمُعْتَمِدُونَ عَلَى النَّاسِ يَقُولُونَ نَحُجُّ بَيْتَ اللّٰهِ وَلَا يُطْعِمُنَا وَسَأَلُوا فِي مَكَّةَ كَمَا سَأَلُوا فِي الطَّرِيقِ**" وہ لوگ لوگوں پر اعتماد کرتے تھے اور کہتے تھے کہ ہم حج تو کرتے ہیں لیکن حج ہمیں نہیں کھلاتا ہے، وہ لوگ مکہ میں بھی اسی طرح مانگتے تھے جس طرح راستے میں مانگتے تھے۔(عون المعبود: ۵/۱۰۷)

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس بات کا خوف تھا کہ کہیں یہ امت دور جاہلیت کے طور طریقوں سے نہ آشنا ہو جائے، اسی لئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دور جاہلیت کے طور طریقوں کی مخالفت کرتے ہوئے تمتع بالعمرہ الی الحج مشروع کیا، چونکہ دور جاہلیت میں الجمع بین الحج والعمرہ ممنوع تھا جیسا کہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ:"**كَانُوا يَرَوْنَ أَنَّ العُمْرَةَ فِي أَشْهُرِ الحَجِّ مِنْ أَفْجَرِ الفُجُورِ فِي الأَرْضِ، وَيَجْعَلُونَ المُحَرَّمَ صَفَرًا، وَيَقُولُونَ: إِذَا بَرَا الدَّبَرْ، وَ عَفَا الأَثَرْ، وَانْسَلَخَ صَفَرْ، حَلَّتِ العُمْرَةُ لِمَنِ اعْتَمَرْ، قَدِمَ النَّبِيُّ ﷺ وَأَصْحَابُهُ صَبِيحَةَ رَابِعَةٍ مُهِلِّينَ**

بِالحَجِّ فَأَمَرَهُمْ أَنْ يَجْعَلُوهَا عُمْرَةً، فَتَعَاظَمَ ذَلِكَ عِنْدَهُمْ، فَقَالُوا: يَا رَسُولَ اللَّهِ، أَيُّ الحِلِّ؟ قَالَ :حِلٌّ كُلُّهُ" عرب سمجھتے تھے کہ حج کے دنوں میں عمرہ کرنا روئے زمین پر سب سے بڑا گناہ ہے' یہ لوگ محرم کو صفر بنا لیتے اور کہتے کہ جب اونٹ کی پیٹھ ستا لے اور اس پر خوب بال اگ جائیں اور صفر کا مہینہ ختم ہو جائے (یعنی حج کے ایام گزر جائیں) تو عمرہ حلال ہوتا ہے' پھر جب نبی کریم ﷺ اپنے صحابہ کے ساتھ چوتھی کی صبح کو حج کا احرام باندھے ہوئے آئے تو آپ ﷺ نے انہیں حکم دیا کہ اپنے حج کو عمرہ بنالیں، یہ حکم (عرب کے پرانے رواج کی بنا پر) عام صحابہ پر بڑا بھاری گزرا' انہوں نے پوچھا یا رسول اللہ! عمرہ کر کے ہمارے لیے کیا چیز حلال ہوگئی؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تمام چیزیں حلال ہو جائیں گی۔(صحیح بخاری:۱۵۶۴'صحیح مسلم:۱۲۴۰)

سنن أبی داود اور صحیح ابن حبان میں عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ:"وَاللَّهِ مَا أَعْمَرَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَائِشَةَ فِي ذِي الْحِجَّةِ إِلَّا لِيَقْطَعَ بِذَلِكَ أَمْرَ أَهْلِ الشِّرْكِ، فَإِنَّ هَذَا الْحَيَّ مِنْ قُرَيْشٍ وَمَنْ دَانَ دِينَهُمْ كَانُوا يَقُولُونَ: إِذَا عَفَا الْوَبَرْ وَبَرَأَ الدَّبَرْ وَدَخَلَ صَفَرْ فَقَدْ، حَلَّتِ الْعُمْرَةُ لِمَنِ اعْتَمَرْ فَكَانُوا يُحَرِّمُونَ الْعُمْرَةَ حَتَّى يَنْسَلِخَ ذُو الْحِجَّةِ وَالْمُحَرَّمُ" قسم اللہ کی! رسول اللہ ﷺ نے عائشہ رضی اللہ عنہا کو ذی الحجہ میں صرف اس لیے عمرہ کرایا تھا کہ اس سے اہل شرک کا عمل باطل کریں' بلاشبہ قبیلہ قریش اور ان کے اہل دین کہا کرتے تھے کہ جب اونٹوں کے بال بڑھ جائیں، ان کے زخم ٹھیک ہو جائیں اور ماہ صفر شروع ہو جائے تو عمرہ کرنے والے کے لیے عمرہ کرنا حلال ہو گیا' یہ لوگ ان دنوں میں عمرہ کرنے کو حرام کہتے تھے حتیٰ کہ ذوالحجہ اور محرم گزر جائے۔(سنن أبی داود:۱۹۸۷)

(بَرَأَ الدَّبَرْ) کا معنی کیا ہے؟ صاحب عون المعبود لکھتے ہیں کہ:"مَا كَانَ يَحْصُلُ بِظُهُورِ الْإِبِلِ مِنَ الْحَمْلِ عَلَيْهَا وَمَشَقَّةِ السَّفَرِ فَإِنَّهُ كَانَ يَبْرَأُ بَعْدَ انْصِرَافِهِمْ مِنَ الْحَجِّ كَذَا فِي الْفَتْحِ" اونٹوں پر بوجھ لادنے اور سفر کی مشقت کی وجہ سے ان کے پیٹھ کو جو چیز یعنی زخم لاحق ہوتا تھا وہ حج سے لوٹنے کے بعد ٹھیک ہو جایا کرتا تھا' اسی کو یہاں اللہ کے رسول ﷺ نے (بَرَأَ الدَّبَرْ) سے تعبیر کیا ہے اور یہی بات فتح الباری میں بھی ہے۔(عون المعبود:۵/۳۲۰)

(وعفا الأثر) کا معنی کیا ہے؟ صاحب عون المعبود لکھتے ہیں کہ" اندرست آثار سیر ہذہ ال إبل أو اندرست آثار الدبر المذکور" اونٹوں کے سفر کی نشانیوں کا مٹ جانا نیز مذکورہ زخموں کے نشانات کا ختم ہو جانا۔(عون المعبود:۵/۳۲۰)

☆اسی طرح دور جاہلیت میں لوگ تلبیہ دوسرے انداز سے پکارتے تھے تو آپ ﷺ نے اس کی بھی مخالفت کیا جیسا کہ صحیح مسلم میں عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ:"كَانَ الْمُشْرِكُونَ يَقُولُونَ: لَبَّيْكَ لَا شَرِيكَ لَكَ، قَالَ: فَيَقُولُ رَسُولُ اللهِ ﷺ: وَيْلَكُمْ، قَدْ قَد فَيَقُولُونَ: إِلَّا شَرِيكًا هُوَ لَكَ، تَمْلِكُهُ وَمَا مَلَكَ، يَقُولُونَ هَذَا وَهُمْ يَطُوفُونَ بِالْبَيْتِ" مشرکین کہتے تھے" لَبَّيْكَ لَا شَرِيكَ لَكَ" تو اللہ کے رسول ﷺ کہتے تھے کہ تمہارا ستیاناس ہو رک جاؤ رک جاؤ' مگر وہ کہتے تھے: مگر ایک ہے شریک جو تمہارا ہے تم اس کے مالک ہو' وہ مالک نہیں وہ لوگ بیت

اللہ کا طواف کرتے ہوئے یہی کہتے تھے۔(صحیح مسلم:۱۱۸۵)

اور اس کے مقابلے میں نبی ﷺ نے شرعی تلبیہ مشروع کیا "لَبَّيْكَ اللَّهُمَّ لَبَّيْكَ، لَبَّيْكَ لاَ شَرِيكَ لَكَ لَبَّيْكَ، إِنَّ الحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالمُلْكَ، لاَشَرِيكَ لَكَ" حاضر ہوں اے اللہ! حاضر ہوں میں، تیرا کوئی شریک نہیں، حاضر ہوں، تمام حمد تیرے ہی لیے ہے اور تمام نعمتیں تیری ہی طرف سے ہیں، بادشاہت تیری ہی ہے تیرا کوئی شریک نہیں۔(صحیح بخاری:۱۵۴۹)

☆اسی طرح مشرکین کی مخالفت میں سے نبی ﷺ کا مقام مزدلفہ سے جلدی یعنی سورج کے طلوع ہونے سے پہلے پہلے نکلنا بھی ہے، جیسا کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ کے جلدی نکلنے کا سبب بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے، عمرو بن میمون رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:"شَهِدْتُ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ صَلَّى بِجَمْعٍ الصُّبْحَ، ثُمَّ وَقَفَ فَقَالَ: إِنَّ المُشْرِكِينَ كَانُوا لاَ يُفِيضُونَ حَتَّى تَطْلُعَ الشَّمْسُ وَيَقُولُونَ: أَشْرِقْ ثَبِيرُ، وَأَنَّ النَّبِيَّ ﷺ خَالَفَهُمْ ثُمَّ أَفَاضَ قَبْلَ أَنْ تَطْلُعَ الشَّمْسُ" جب عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے مزدلفہ میں فجر کی نماز پڑھی تو میں بھی موجود تھا، نماز کے بعد آپ ٹھہرے اور فرمایا کہ مشرکین (جاہلیت میں یہاں سے) سورج نکلنے سے پہلے نہیں جاتے تھے کہتے تھے اے ثبیر! تو چمک جا، نبی کریم ﷺ نے مشرکوں کی مخالفت کی اور سورج نکلنے سے پہلے وہاں سے روانہ ہوگئے۔(صحیح بخاری:۱۶۸۴)

نبی ﷺ کے اس قول "أَشْرِقْ ثَبِيرُ" کا معنی ہے تاکہ اے جبل ثبیر تجھ پر سورج طلوع ہوجائے۔(فتح الباری:۵۳۱/۳)

اور مسند احمد میں عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ "كَانَ الْمُشْرِكُونَ لَا يُفِيضُونَ مِنْ جَمْعٍ حَتَّى تُشْرِقَ الشَّمْسُ عَلَى ثَبِيرٍ، فَخَالَفَهُمُ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَأَفَاضَ قَبْلَ أَنْ تَطْلُعَ الشَّمْسُ" مشرکین مقام مزدلفہ سے سورج طلوع ہونے سے پہلے ثبیر پر نہیں جاتے تھے تو نبی ﷺ نے ان کی مخالفت کیا اور آپ ﷺ سورج طلوع ہونے کے پہلے گئے۔(مسند احمد:۲۰۰)

عبدالرزاق فرماتے ہیں کہ:"وَكَانُوا يَقُولُونَ: أَشْرِقْ ثَبِيرُ كَيْمَا نُغِيرُ،يَعْنِي: فَخَالَفَهُمُ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَدَفَعَ قَبْلَ أَنْ تَطْلُعَ الشَّمْسُ" وہ لوگ کہتے تھے کہ اے ثبیر طلوع ہوجا تاکہ ہم قربان گاہ چلے جائیں یعنی نبی ﷺ نے ان کی مخالفت کیا اور سورج کے طلوع ہونے سے پہلے پہلے روانہ ہوگئے۔(مسند احمد:۲۷۵)

یعنی ہم قربان گاہ چلیں، دور جاہلیت میں حج کے دوران لوگ اپنے آباء واجداد پر فخر کرتے تھے نیز شعروشاعری میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے تھے تو اللہ تعالی نے اسے مقام ذکر بنا دیا جیسا کہ عبد اللہ بن عباس رضی اللہ فرماتے ہیں کہ:"كَانَ أَهْلُ الْجَاهِلِيَّةِ يَقِفُونَ فِي الْمَوْسِمِ فَيَقُولُ الرَّجُلُ مِنْهُمْ كَانَ أَبِي يُطْعِمُ وَيَحْمِلُ الْحِمَالاتِ وَيَحْمِلُ الدِّيَاتِ لَيْسَ لَهُمْ ذِكْرٌ غَيْرَ فِعَالِ أبائهم فَأنزل الله على مُحَمَّد صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ﴿فَاذْكُرُوا اللَّهَ كَذِكْرِكُمْ آبَاءَكُمْ أَوْ أَشَدَّ ذِكْرًا﴾" حج کے موسم میں اہل جاہلیت وقوف کرتے تھے تو ان میں کا ایک آدمی کہتا تھا کہ میرا باپ غریبوں کو کھلاتا تھا، بوجھ اٹھاتا تھا، دوسروں کی طرف سے دیت دیا کرتا تھا یعنی اپنے باپ کے کارنامے کے علاوہ اور کوئی تذکرہ وہاں نہیں ہوتا تھا تو اللہ تعالی نے محمد ﷺ پر

نازل کیا (اللہ کا ذکر اپنے آباء کی طرح یا اس سے بھی زیادہ کرو)۔(الأحادیث المختارۃ:۱۰۸)

ہ۔ حج کی مشروعیت کی ایک حکمت مشرکین کے ساتھ سختی کرنا بھی ہے، اور اس حکمت کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سرفہرست رکھا ہے اور اس کی مخالفت کسی نے بھی نہیں کیا، اور ہم انہیں میں سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا میں جو کرتے ہیں ان میں سے ایک دوران سعی اور پہلے کے تین طواف کے دوران رمل کرنا ہے۔

عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: ''قَدِمَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَصْحَابُهُ، فَقَالَ الْمُشْرِكُونَ: إِنَّهُ يَقْدَمُ عَلَيْكُمْ وَقَدْ وَهَنَهُمْ حُمَّى يَثْرِبَ، فَأَمَرَهُمُ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يَرْمُلُوا الأَشْوَاطَ الثَّلاَثَةَ، وَأَنْ يَمْشُوا مَا بَيْنَ الرُّكْنَيْنِ، وَلَمْ يَمْنَعْهُ أَنْ يَأْمُرَهُمْ أَنْ يَرْمُلُوا الأَشْوَاطَ كُلَّهَا إِلَّا الإِبْقَاءُ عَلَيْهِمْ'' (عمرۃ القضاء ۷ھ میں) جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (مکہ) تشریف لائے تو مشرکوں نے کہا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم آئے ہیں، ان کے ساتھ ایسے لوگ آئے ہیں جنہیں یثرب (مدینہ منورہ) کے بخار نے کمزور کر دیا ہے، اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ طواف کے پہلے تین چکروں میں رمل (تیز چلنا جس سے اظہار قوت ہو) کریں اور دونوں یمانی رکنوں کے درمیان حسب معمول چلیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم نہیں دیا کہ سب پھیروں میں رمل کریں اس لیے کہ ان پر آسانی ہو۔(صحیح بخاری:۱۶۰۲، صحیح مسلم:۱۲۶۶)

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے حجر اسود کو خطاب کر کے فرمایا: ''أَمَا وَاللَّهِ، إِنِّي لَأَعْلَمُ أَنَّكَ حَجَرٌ لاَ تَضُرُّ وَلاَ تَنْفَعُ، وَلَوْلاَ أَنِّي رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اسْتَلَمَكَ مَا اسْتَلَمْتُكَ، فَاسْتَلَمَهُ'' بخدا مجھے خوب معلوم ہے کہ تو صرف ایک پتھر ہے جو نہ کوئی نفع پہنچا سکتا ہے نہ نقصان اور اگر میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تجھے بوسہ دیتے نہ دیکھا ہوتا تو میں کبھی بوسہ نہ دیتا۔ اس کے بعد آپ نے بوسہ دیا۔(صحیح بخاری:۱۶۰۵، صحیح مسلم:۱۲۷۰)

پھر فرمایا: ''فَمَا لَنَا وَلِلرَّمَلِ إِنَّمَا كُنَّا رَاءَيْنَا بِهِ الْمُشْرِكِينَ وَقَدْ أَهْلَكَهُمُ اللَّهُ، ثُمَّ قَالَ: شَيْءٌ صَنَعَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلاَ نُحِبُّ أَنْ نَتْرُكَهُ'' اور اب ہمیں رمل کی بھی کیا ضرورت ہے، ہم نے اس کے ذریعہ مشرکوں کو اپنی قوت دکھائی تھی تو اللہ نے ان کو تباہ کر دیا پھر فرمایا: جو عمل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا ہے اسے اب چھوڑنا بھی ہم پسند نہیں کرتے۔(صحیح بخاری:۱۶۰۵)

اضطباع کندھا اور دائیں بازو کے کھولنے کا نام ہے، یہ بھی مشرکین کی سختی کے لئے تھا جیسا کہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''بَلَغَ أَصْحَابَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّ قُرَيْشًا تَقُولُ: مَا يَتَبَاعَثُونَ مِنَ الْعَجَفِ'' اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کو یہ بات پہونچی ہے کہ قریش (صحابہ کے بارے میں) کہتے تھے کہ وہ لوگ ایک دوسرے کو کمزوری کی وجہ سے کوس رہے ہیں۔(مسند احمد:۲۷۸۲)

''ثُمَّ أَقْبَلَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتَّى دَخَلَ الْمَسْجِدَ، وَقَعَدَتْ قُرَيْشٌ نَحْوَ الْحِجْرِ، فَاضْطَبَعَ بِرِدَائِهِ، ثُمَّ قَالَ: لَا يَرَى الْقَوْمُ فِيكُمْ غَمِيزَةً '' پھر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم آئے حتی کہ مسجد میں داخل ہوئے اور قریش حجر کے سامنے بیٹھے ہوئے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی چادر سے اضطباع کیا پھر کہا لوگ تمہارے اندر کمزوری

نہیں دیکھتے ہیں۔(مسند احمد:۲۷۸۲)

آخری بات رمی جمار کی ہے، رمی جمار سے شیطان سے ہماری دشمنی اور اس سے نفرت وعداوت کی تجدید ہوتی ہے، یہ حرکت ہمیں ہمارے باپ ابراہیم علیہ السلام کی وہ کارکردگی یاد دلاتی ہے جس وقت شیطان نے اسماعیل علیہ السلام کے ذبح کے سلسلے میں انہیں اطاعت الٰہی سے بہکانے کا ارادہ کیا تو ابراہیم علیہ السلام نے شیطان کو وہیں پہ رجم کیا اور وہیں پہ اس سے اپنی دشمنی کا اظہار کیا ،ہم دوران حج ابراہیم علیہ السلام کی اقتدا اور شیطان سے نفرت کے اظہار میں رمی جمار کرتے ہیں۔

حج ہمیں یوم آخرت کی یاد دلاتا ہے، چونکہ دوران حج ہمیں کئی طرح کی مشقتوں اور پریشانیوں کا سامنا ہوتا ہے جیسے ازدہام، گرمی اور تھکان وغیرہ، نیز اسی طرح جب ہم احرام پہنتے ہیں تو ہمیں ہمارے کفن یاد آتے جس میں ہمیں قبروں تک لے جایا جائے گا۔

و- بذریعہ حج عبودیت الٰہی کا اظہار ہوتا ہے چونکہ عبودیت کا معنی ہے اپنے آپ کو اللہ تعالی کے سامنے جھکا دینا اور اس کے سامنے عاجزی کا اظہار کرنا، اور حاجی جب احرام میں ہوتا ہے تو عاجزی کا اظہار کرتا ہے، زیب وزینت سے پرہیز کرتا ہے، اپنے آپ کو ایسی صورت میں پیش کرتا ہے کہ جیسے اللہ تعالی اس پر ناراض ہو اور اسی حالت میں اللہ تعالی سے عاجزی کا اظہار کرتا ہے تاکہ اللہ تعالی اس پر رحم وکرم کا نزول کرے، جب وہ میدان عرفہ میں آتا ہے تو اپنے آپ کو اللہ تعالی کے سامنے نافرمان بندے کی شکل میں پیش کرتا ہے اور اللہ تعالی کے سامنے گریہ وزاری کرتا اور اس کی حمد وثنا بیان کرتا ہے، توبہ واستغفار کرتا ہے، اپنے گناہوں کی معافی مانگتا ہے اسی طرح جب وہ طواف کرتا ہے تو اللہ تعالی کی سرگوشی کرتا ہے۔

ط- بذریعہ حج بندے کے اندر تقوی پیدا ہوتا ہے، بندہ اللہ سے ڈرنے لگتا ہے، سوچتا ہے کہ آج ہم حج کر رہے ہیں اور کل کو جاکر اگر ہم نے وہی گناہ کیا جو پہلے کر رہے تھے تو ہمارے حج کا کوئی فائدہ نہ ہوگا بلکہ اللہ تعالی کی ناراضگی اور قوم کی طرف سے لعنت وملامت کا شکار ہونا پڑے گا لہٰذا وہ شخص بذریعہ حج ایک متقی انسان بن جاتا ہے، اسی لئے اللہ تعالی نے ہمیں پہلے ایام حج سے آگاہ کیا نیز دوران حج جن جن کاموں کے ہونے کا خدشہ ہے ان سے ہمیں روک دیا پھر ہمیں اس بات سے آشنا کیا کہ حج کا ایک اہم مقصد تقوی ہے جیسا کہ فرمایا: ﴿ٱلْحَجُّ أَشْهُرٌ مَّعْلُومَٰتٌ ۚ فَمَن فَرَضَ فِيهِنَّ ٱلْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوقَ وَلَا جِدَالَ فِى ٱلْحَجِّ ۗ وَمَا تَفْعَلُوا۟ مِنْ خَيْرٍ يَعْلَمْهُ ٱللَّهُ ۗ وَتَزَوَّدُوا۟ فَإِنَّ خَيْرَ ٱلزَّادِ ٱلتَّقْوَىٰ ۚ وَٱتَّقُونِ يَٰٓأُو۟لِى ٱلْأَلْبَٰبِ﴾[البقرۃ:۱۹۷]''حج کے مہینے مقرر ہیں اس لئے جو شخص ان میں حج لازم کرلے وہ اپنی بیوی سے میل ملاپ کرنے، گناہ کرنے اور لڑائی جھگڑے کرنے سے بچتا رہے، تم جو نیکی کروگے اس سے اللہ تعالیٰ باخبر ہے اور اپنے ساتھ سفر خرچ لے لیا کرو، سب سے بہتر توشہ اللہ تعالیٰ کا ڈر ہے اور اے عقلمندو! مجھ سے ڈرتے رہا کرو''۔

اور فرمایا: ﴿ذَٰلِكَ وَمَن يُعَظِّمْ شَعَٰٓئِرَ ٱللَّهِ فَإِنَّهَا مِن تَقْوَى ٱلْقُلُوبِ﴾[الحج:۳۲] یہ (سب امور قابل اجتناب ہیں)''اور جو شخص اللہ کے شعائر کی تعظیم کرے تو یہ بات دلوں کے تقویٰ سے تعلق رکھتی ہے''۔

ع- حج صبر کی تعلیم دیتا ہے کیوں کہ دوران حج کافی بھیڑ ہوتی ہے، دنیا بھر سے لوگ حج کا فریضہ انجام دینے کے لئے آتے ہیں ایسی حالت میں راہ چلنا دوبھر ہوا کرتا ہے لیکن اس

کے باوجود ایک حاجی صبر کرتا ہے' کوئی اپنے سے بغل والے کو تکلیف نہیں پہونچاتا' کتنا ہی تکلیف کیوں نہ ہو جائے لیکن ہر حاجی اپنے آپ کو سنبھالتا ہے جس سے یہ سبق ملتا ہے کہ آنے والے ادوار میں اگر ہمیں کوئی پریشانی ہو' کسی کے طرف سے کوئی تکلیف پہونچے' ہمیں ستائے یا ہمارے او پر ظلم کرے تو ہمیں سہنا ہے لیکن اس پر گالی گلوج نہیں کرنا ہے' اس سے لڑائی جھگڑا نہیں کرنا ہے بلکہ جیسے ح آج ہم اس تکلیف پر صبر کر رہے ہیں ویسے ہمیں صبر کرنا ہے۔

ف۔ اسی طرح حج اپنے آپ پر قابو پانے کی تعلیم دیتا ہے چونکہ دوران حج عورت کا اپنے چہرے کا چھپانا ناجائز ہے' اسے چہرہ کھول کر ہی رکھنا ہے اور ایسی صورت میں نہ جانے کتنے لوگوں کی نگاہیں ان عورتوں پر پڑتی ہے لیکن اس کے باوجود وہ اپنے آپ پر کنٹرول کرتے ہیں اگر دل خواہش جاگتی ہے تو بھی حجاج ان عورتوں کو کچھ نہیں کہتے بلکہ اپنے آپ کو اس برائی سے روک لیتے ہیں جس سے اس بات کی مشق ہو جاتی ہے کہ ایک انسان برائیوں سے کیسے بچے۔

ق۔ گناہوں سے بچنا: ایک انسان دنیا میں نہ جانے کتنے گناہ کر دیتا ہے اور نہ جانے کتنی معصیتوں کا شکار ہو جاتا ہے لیکن جب وہ حج کے میدان میں آتا ہے تو ان گناہوں سے بچتا ہے' ہاں وہ گناہ کرنے کی خواہش اس کے دل میں جاگتی ہے لیکن اس وقت وہ نہیں کرتا کیوں کہ اسے معلوم ہے ہمارا حج بیکار جائے گا' ہماری ساری محنت رائیگاں و برباد ہو جائے گی' ہمارا سارا خرچ فضول اور بکواس کاموں میں صرف ہوگا اور اللہ تعالی کی خوشنودی ملنے کے بجائے عذاب الٰہی سے دو چار ہونا پڑے گا گویا وہاں وہ یہ مشق کر لیتا ہے کہ جب گناہوں کا حیال آئے تو اللہ کو یاد کر لو بچ جاؤ گے۔

ل۔ حج ہمیں اتحاد کی تعلیم دیتا ہے' جب ہم دوران حج پچیس لاکھ' تیس لاکھ کا مجمع دیکھتے ہیں تو ہمیں اس بات کا احساس ہوتا ہے کہ ہم کم نہیں ہیں اور نہ ہم کمزور ہیں بلکہ ہماری تعداد زیادہ ہے اور ہمارے اندر طاقت وقوت ہے' ہم دشمنان اسلام سے مقابلہ کرنے کی پوری طاقت وقوت رکھتے ہیں' اس سے ہم احساس کمتری کا شکار نہیں ہوتے' ہمارے اندر جوش وولولہ پیدا ہوتا ہے' ہماری ہمت جاگتی ہے اور یہیں پر ان دشمنان اسلام کو اس بات کا شدید قلق ہوتا ہے کہ اگر اتنی بڑی جماعت ہمارے اوپر بیک وقت حملہ کر دے تو ہماری پلاننگ اور ہمارے منصوبے سب کے سب ناکام ونامراد ہو جائیں اور ہماری ساری محنت اکارت وبرباد ہو جائے۔

م۔ بذریعہ حج برابری کا احساس پیدا ہوتا ہے' چونکہ دوران حج اللہ تعالی سب کو ایک ہی لباس میں ملبوس کر کے یہ پیغام دیتا ہے کہ بحیثیت انسان اللہ تعالی کی نگاہ میں سب برابر ہیں' کسی کو کسی پر فخر کرنے کا کوئی حق نہیں' کالا ہو یا گورا' امیر ہو یا غریب' چھوٹا ہو یا بڑا اور جوان ہو یا بزرگ کسی کو کسی پر فوقیت حاصل نہیں ہے' اگر فوقیت ہے تو تقوی کی بنیاد پر۔

اگر امیر ہے تو اس بھی وہی لباس ہوتا ہے جو ایک غریب یا کم پیسے والے کا ہوا کرتا ہے اور وہاں جو کام ایک غریب کرتا ہے وہی ایک امیر کو بھی کرنا ہے' کتنا ہی امیر کیوں نہ ہو پر اسے سب کے ساتھ ہی رہنا ہے کھانے پینے کے مسئلے میں' لباس کے مسئلے ہیں' رہنے کے مسئلے میں جس سے احساس جاگتا ہے کہ اللہ تعالی کی نگاہ میں امیری کی کوئی حیثیت نہیں۔

واللہ هو الموٴفق وهو الهادی الی سواء السبیل

فقہ وفتاویٰ

ماتم اورنوحہ خوانی کاشرعی حکم

● شیخ عبدالحکیم عبدالمعبودالمدنی (مدیر مجلہ الجماعۃ، ممبئی)

سوال: ماتم کسے کہتے ہیں اور کسی کی وفات یاشہادت پر مجلس لگانا، سینہ کوبی کرنا اورنوحہ کرنا ازروئے شرع کیسا ہے واضح فرمائیں؟

الجواب: محرم الحرام کے مہینے میں عاشورہ یعنی دسویں تاریخ کوامام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کا دلدوز واقعہ میدان کربلا میں پیش آیا۔اس مناسبت سے بعد کے زمانے میں اہل تشیع نے اوربعض نام نہاد مسلمانوں نے غم واندوہ کے اظہار کے لیے مجلسیں سجانا اور منعقد کرنا شروع کردیا جس میں نوحہ خوانی، سینہ کوبی اور تعزیہ وغیرہ بنا کر واقعہ کربلا پرغم کا اظہار کیا جاتا ہے۔اورطرح طرح کے غیرشرعی اعمال انجام دیے جاتے ہیں۔ عاشورہ کے موقع پراس طرح کی مجلسوں کو ماتمی مجلس اوراس طرح کے عمل کوماتم کرنا کہا جاتا ہے۔ویسے دیکھا جائے تو ’’ماتم‘‘ عربی زبان کالفظ ہے، دراصل کسی غم یا خوشی میں مردوں اورعورتوں یا صرف عورتوں کے اجتماع کو ’’ماتم‘‘ کہا جاتا ہے، پھربعد میں کسی کی موت پرعورتوں کے اجتماع اوراکٹھا ہوکرغم منانے کو ’’ماتم‘‘ کہاجانے لگا۔

ہمارے یہاں عرف عام میں کسی میت پرنوحہ خوانی، سینہ کوبی اوراس جیسے خلافِ شرع افعال کرنے کو’’ماتم‘‘ کہتے ہیں۔ اس بابت علامہ ابن الاثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:"**المأتم في الأصل: مُجْتَمَعُ الرجال والنساء في الحُزن والسُّرور ثم خُصَّ به اجتماع النساء الموت**"۔کہ ماتم کسی خوشی یاغم کے موقع پرمردوں اورعورتوں کی مجلس کو کہا جاتا ہے بعد میں یہ خصوصی طور پرکسی کے مرنے پرعورتوں کی مجلس کو کہا جانے لگا۔(النھایہ فی غریب الحدیث)

ماہِ محرم خصوصًا عاشوراء کے موقع پرامام حسین اور دیگر اہلِ بیت رضی اللہ عنہم کی شہادت کے غم میں نوحہ اور ماتم کرنے کارواج عام ہوچکا ہے، مرثیے وغیرہ پڑھے جاتے ہیں، نوحے اور ماتم کے پروگرام اور مجلسیں منعقد کی جاتی ہیں، غم پھیلانے، غم بڑھانے، خودرونے اور دوسروں کورلانے کا بھرپور مظاہرہ کیا جاتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ تمام کام شریعت کی تعلیمات اورمزاج دونوں کے خلاف ہیں۔

واضح رہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآنِ پاک میں مصیبت کے وقت صبر کی تلقین فرمائی ہے اورصبر کرنے والوں کے لیے انعامات کا ذکر فرمایا ہے، جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

﴿يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ ٱسْتَعِينُواْ بِٱلصَّبْرِ وَٱلصَّلَوٰةِۚ إِنَّ ٱللَّهَ مَعَ ٱلصَّـٰبِرِينَ ۝١٥٣ وَلَا تَقُولُواْ لِمَن يُقْتَلُ فِى سَبِيلِ ٱللَّهِ أَمْوَٰتُۢۚ بَلْ أَحْيَآءٌ وَلَـٰكِن لَّا تَشْعُرُونَ﴾[البقرة:۱۵۳-۱۵۴]

ترجمہ: اے ایمان والوصبر اورنماز سے مدد لو۔ بے شک اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے اوراللہ تعالی کی راہ میں شہید ہونے والوں کومردہ نہ کہو، بلکہ وہ زندہ ہیں لیکن تم کوشعورنہیں۔

جب کہ مروجہ ماتم قرآنِ مجید میں دیے گئے حکمِ صبر کے بھی خلاف ہے اور احادیثِ مبارکہ میں دیے گئے احکام کے بھی خلاف ہے۔

ویسے کسی کے مرنے پر رنج وغم ایک غیر اختیاری اور فطری چیز ہے جس پر شریعتِ مطہرہ میں مؤاخذہ نہیں ہے، البتہ کسی کے انتقال پر آواز سے رونا، چیخنا، سینہ کوبی کرنا، اور لباس چیر کر غم کا اظہار کرنا، ماتم ونوحہ کرنا شرعًا ناجائز اور حرام ہے، رسول اکرم ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے، چنانچہ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"لَيْسَ مِنَّا مَنْ ضَرَبَ الْخُدُودَ وَشَقَّ الْجُيُوبَ وَدَعَا بِدَعْوَى الْجَاهِلِيَّةِ".(بخاری:۱۲۹۴)

"جو منہ پر طمانچے مارے، گریبان چاک کرے اور زمانۂ جاہلیت کی طرح چیخ وپکار کرے وہ ہمارے دین پر نہیں"۔

نیز جس طرح ماتم کرنا اور اس میں شریک ہونا گناہ اور ناجائز ہے، اسی طرح اسے دیکھنے کے لیے جانا کثرت کا سبب بننے کی وجہ سے ناجائز اور گناہ ہے، کیوں کہ دیکھنے والا اگرچہ اس میں شریک نہیں ہے لیکن دوسرے لوگ یہی سمجھیں گے کہ یہ شریکِ ماتم ہے، لہٰذا ماتم دیکھنے کے لیے جانا بھی درست نہیں ہے۔

روایت میں ہے : **"أن رسول الله مرّ بنساء عبد الأشهل يبكين هلكاهن يوم أحد، فقال رسول الله: لكن حمزة لا بواكي له، فجاءت نساء الأنصار يبكين حمزة، فاستيقظ رسول الله فقال: ويحهن ما انقلبن بعد؟ مروهن فلينقلبن ولايبكين على هالك بعد اليوم"**.(ابن ماجہ:1591 بسند صحیح)

غزوہ احد سے جب رسول اللہ ﷺ واپس تشریف لائے تو بنو عبد الاشہل کی کچھ عورتوں کو اپنے شہداء پر روتا ہوا پایا، یہ سن کر حضور ﷺ نے فرمایا کہ حمزہ پر رونے والا کوئی نہیں، یہ سن کر انصار کی کچھ عورتیں آئیں اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ پر رونا شروع کر دیا، حضور ﷺ جب اٹھے اور ان کو دیکھا تو منع فرمایا اور فرمایا کہ آج کے بعد کسی مردے پر کوئی نہ روئے۔

حضور ﷺ نے پہلی بات غم کے اظہار کے لیے فرمائی تھی، اس کا مقصد ماتم کا حکم دینا نہیں تھا، اسی وجہ سے بعد میں رونے سے منع فرمادیا، اگر ماتم اور نوحہ کرنے کا حکم دینا مقصود ہوتا تو بعد میں منع نہ فرماتے، بہرحال حدیث شریف کا آخری حصہ ماتم اور نوحہ وغیرہ کی ممانعت کے لیے کافی ہے، نیز دیگر احادیث میں بھی بصراحت میت پر بآوازِ بلند گریہ کرنے، گریبان چاک کرنے اور گال پیٹنے وغیرہ سے منع کیا گیا ہے۔ بلکہ اسے نہایت ہی سنگین گناہ ٹھرایا گیا ہے۔ اسلامی شریعت میں اپنے کسی عزیز کی فوت ہونے پر اعتدال کے ساتھ غم زدہ ہونے کی اجازت دی ہے، اس میں آنسو بہانا صبر وتحمل کے خلاف نہیں بلکہ غم کا طبعی تقاضا ہے، البتہ بلند آواز سے رونا چیخنا، چلانا، اللہ سے شکایات کرنا، تقدیر کے فیصلوں سے خوش نہ ہونا، جسم یا چہرے کو پیٹنا، گریبان چاک کرنا؛ یہ تمام ایسے امور ہیں جن سے شریعت منع کرتی ہے، اس سے متعلق چند احادیث مبارکہ پیش خدمت ہیں

*عَنْ أَبِي صَالِحٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: **"اثْنَتَانِ فِي النَّاسِ هُمَا بِهِمْ كُفْرٌ: الطَّعْنُ فِي النَّسَبِ، وَالنِّيَاحَةُ عَلَى الْمَيِّتِ"**.حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: "دو چیزیں ایسی ہیں جو کفر ہیں: ایک تو نسب میں

طعنہ دینا، اور دوسری چیز میت پر نوحہ کرنا۔‘‘(صحیح مسلم:236)

*عَنْ مَسْرُوقٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: ”لَيْسَ مِنَّا مَنْ لَطَمَ الْخُدُودَ وَشَقَّ الْجُيُوبَ وَدَعَا بِدَعْوَى الْجَاهِلِيَّةِ“.حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:’’وہ ہم میں سے نہیں جو (مصیبت کے وقت) چہرے کو پیٹے، گریبان کو پھاڑے اور جاہلیت جیسا واویلا اور نوحہ کرے‘‘۔(صحیح بخاری:1294)

*عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ: لَعَنَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ النَّائِحَةَ وَالْمُسْتَمِعَةَ.

’’حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے نوحہ کرنے والی اور نوحہ سننے والی عورت پر لعنت فرمائی ہے‘‘۔(سنن النسائی:3130)

اس حدیث میں تو ان لوگوں کے لیے بھی وعید ہے جو اپنی رضا اور غبت سے نوحہ سنتے ہیں۔

مذکورہ بالا احادیث مبارکہ سے واضح طور پر مصیبت کے وقت نوحہ کرنے، چیخنے چلانے، آواز نکالنے، واویلا کرنے، جاہلیت جیسی باتیں کرنے، گریبان اور کپڑے پھاڑنے، سر منڈانے، چہرہ پیٹنے، چہرہ نوچنے اور ماتم کرنے جیسے تمام غیر شرعی کاموں کی شدید مذمت اور حرمت ثابت ہوتی ہے۔ ذیل میں اس بابت اہل علم اور متعدد مسالک اور مذاہب فقہیہ کے فتاوی درج کئے جا رہے ہیں تا کہ مسئلہ بالکل واضح ہو جائے۔

*سعودی عرب کے مفتی کبیر شیخ محمد بن ابراہیم آل الشیخ رحمہ اللہ لکھتے ہیں:”وأما إقامة المآتم على الميت في أي يوم كان فغير مشروعة، وقد حكى أبو بكر محمد بن الوليد الطرطوشي في كتابه "الحوادث والبدع" إجماع العلماء على منعها. قال في ص١٦٦: فأما المآتم فممنوعة بإجماع العلماء. قال الشافعي: وأكره المآتم وهو اجتماع الرجال والنساء، لما فيه من تجديد الحزن“. کہ کسی بھی دن میں کسی کے مرنے پر ماتم کرنا شرعا جایز نہیں امام طرطوشی نے اپنی کتاب الحوادث والبدع میں اسکی ممانعت پر اجماع نقل کیا ہے اور امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں ماتم کو ناپسند کرتا ہوں جس میں مرد اور عورتیں اکٹھا ہوتی ہیں کیونکہ اس سے غم کی تجدید ہوتی ہے۔(فتاوی الشیخ محمد بن ابراہیم 56/80)

عالم اسلام کے معروف مفتی وفقیہ شیخ ابن باز رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:”إقامة المآتم لا تجوز، والواجب على أهل الميت الصبر، والاحتساب، وألا يقيموا أي مأتم، هذا هو الواجب عليهم، لكن إذا بعث إليهم جيرانهم وأقاربهم طعامًا: فلا بأس، ثبت عنه ﷺ: أنه أمر أهل بيته أن يبعثوا لأهل جعفر طعامًا لما قتل وجاء خبره قال: فإنه قد أتاهم ما يشغلهم“ ماتم جائز نہیں ہے، اور اہل خانہ صبر کریں اور ثواب حاصل کریں، اور ماتم نہ کریں، لیکن اگر ان کے پڑوسی اور رشتہ دار کھانا بھیجیں تو اس میں کوئی حرج نہیں، آپ ﷺ سے ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے اپنے گھر والوں کو حکم دیا تھا کہ وہ جعفر کے گھر والوں کو کھانا بھیج دیں۔ فرمایا: ان کے پاس ایک چیز آئی تھی جس نے انکو مشغول کر رکھا ہے۔(فتاوی ابن باز: نیٹ)

*معروف فقیہ شیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:المآتم كلها بدعة: سواء كانت ثلاثة أيام، أو

على أسبوع، أو على أربعين يوماً؛ لأنها لم ترد عن السلف الصالح رضي الله عنهم، ولو كان خيراً لسبقونا إليه ولأنها إضاعة مال وإتلاف وقت، وربما يحصل فيها من المناكير من الندب والنياحة ما يدخل في اللعن لأن النبي صلى الله عليه وسلم لعن النائحة والمستمعة؛ التي تنوح والتي تستمع إليها. یعنی تمام قسم کے ماتم بدعت ہیں، خواہ وہ تین دن کے ہوں یا ایک ہفتہ کے ہوں یا چالیس دن کے ہوں، کیونکہ یہ اسلاف کے نیک اعمال سے نہیں ہیں، اور اگر وہ نیکی میں سے ہوتے تو وہ ان پر ضرور عمل کرتے اور ان کے کرنے میں ہم پر سبقت لے جاتے۔ اور یہ اس لیے بھی ناجائز ہے کہ اس میں مال اور وقت دونوں کا ضیاع ہے، اور ان کے کرنے سے کچھ برائیاں واقع ہوسکتی ہیں، جیسے کہ نوحہ کرنا، جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نوحہ کرنے والی عورت اور اسے سننے والی دونوں پر لعنت بھیجی ہے۔ (سلسلة فتاوى نور على الدرب، الشريط رقم 22)

* خاندان ولی اللہ کے معروف فقیہ شاہ عبدالعزیز دھلوی رحمہ اللہ اس طرح کی مجلسوں میں حاضری اور شرکت کے بارے میں لکھتے ہیں کہ: "عزاداراں مجلس بہ نیت زیارت وگریہ زاری حاضر شدن ہم جائز نیست زیرا کہ آنجا زیارت نیست کہ جائے او حاضر شود ایں چوبہا کہ ساختۂ او ہستند قابل زیارت نیستند بلکہ قابل ازالہ اند چنانچہ درحدیث شریف آورہ مَنْ رای منکم منکرًا فلیغیره بیده فان لم یستطع فبلسانه فان لم یستطع فبقلبه وذلک اضعف الایمان (رواہ مسلم) و در مجلس تعزیہ داری رفتہ ومرثیہ وکتاب شنید اگر در مرثیہ وکتاب احوال واقعی نیست بلکہ کذب وافترا وتحقیر بزرگاں در ذکر پس شنیدن ایں چنیں مرثیہ وکتاب بلکہ دریں قسم مجلس حاضر شدن ہم روا نیست" اس مجلس میں گریہ وزاری کی نیت سے جانا کبھی جائز نہیں ہے اسلئے کہ وہاں زیارت کی چیز نہیں ہے کہ اسکے لئے حاضر ہو، یہ لکڑیاں جو اسی کی بنائی ہوئی ہیں زیارت کے قابل نہیں ہیں بلکہ مٹانے کے قابل ہیں جیسا کہ حدیث میں ہے کہ جو شخص کوئی غیر شرعی چیز دیکھے تو اس کو ہاتھ سے مٹادے، اس کی طاقت نہ ہو تو زبان سے اور اس کی بھی طاقت نہ ہو تو دل سے برا جانے اور یہ ایمان کا ادنیٰ درجہ ہے، اور تعزیہ داری کی مجلس میں مرثیہ وکتاب سننا تو اگر مرثیہ وکتاب میں واقعی حالات نہ ہوں بلکہ کذب وافتراء اور بزرگوں کی تحقیر ہو تو ایسا مرثیہ وکتاب سننا بھی جائز نہیں ہے) (فتاویٰ عزیزی ص ۷۳ مطبوعہ دہلی)

الغرض اس باب میں متعدد فقہی مسالک اور محققین علماء کے فتاوے ہیں جو اس بات کی دلیل ہیں کہ اس طرح کسی کی وفات، شہادت یا موت پر نوحہ کرنا، مجلسیں لگانا اور مروجہ طریقے سے وہ تمام اعمال کرنا جو ماہ محرم میں کیے جاتے ہیں سب کے سب حرام اور ناجائز ہیں اور شریعت اور سنت سے لاعلمی نیز غیروں سے مشابہت کے نتیجے میں انجام دیے جاتے ہیں. اس لیے اہل اسلام خاص طور پر سنی مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ شرعی دائرے میں رہتے ہوئے کسی کی موت پر غم اور حزن کا اظہار کریں اور دوسروں سے متاثر ہوکر ماہ محرم الحرام کو اس کے اصل سنت سے ہٹا کر اسے ماہ حزن، ماہ تعزیہ اور ماہ ماتم کے طور پر پیش نہ کریں۔ اللہ سے دعا ہے کہ اللہ تعالی اہل اسلام کو حق بات پر عمل کرنے کی سعادت اور توفیق عطا فرمائے۔

هذا ما عندي والله اعلم بالصواب

آئینۂ جمعیت و جماعت

جمعیت کی دعوتی و تعلیمی سرگرمیاں

ادارہ

صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی شہر ممبئی، تھانہ اور دیار کوکن میں جماعت اہل حدیث کی نمائندہ تنظیم ہے۔ تنظیمی سرگرمیوں اور دعوتی جدوجہد کے حوالے سے صوبائی جمعیت ملک بھر میں معروف ہے، حسب سابق گزشتہ مہینوں بھی اجتماعات کا سلسلہ جاری رہا اور متعدد مقامات پر ان کا انعقاد ہوا۔

امر بالمعروف والنہی عن المنکر کے فریضے اور اعلاء کلمۃ اللہ کی خاطر ملامت گر کی ملامت سے بے خوف ہو کر صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی کے ذمہ داران وقابل احترام دعاۃ اپنا دعوتی مشن تسلسل کے ساتھ باضابطہ قائم کیے ہوئے ہیں، ممبئی کی مختلف مساجد کی جانب سے دعوت پر دروس اور اجتماعات میں شرکت کرتے رہے ہیں اور موقع بموقع بیرون صوبہ بھی دعوتی پروگراموں میں شریک ہوئے۔ الحمدللہ

11-12 رمئی کو شیخ عنایت اللہ مدنی رحفظہ اللہ کا چنئی، تامل ناڈو میں جمعیت اہل حدیث چنئی کی جانب سے دوروزہ دورۂ منہجیہ ہوا جس میں آپ نے منہج سلف کی وضاحت نیز جدید مناہج سے آگاہ ہونے اسی طرح قرآن وسنت اور منہج سلف کو مضبوطی سے تھامنے کے لیے بہت ہی اہم خطابات کیے جس سے چنئی کے احباب جماعت نے بڑے ہی دلچسپی سے سنا اور بھرپور فائدہ اٹھایا۔

25 رمئی بروز سنیچر مسجد اہل حدیث بحر الحکمہ راہل نگر باندرہ ویسٹ میں صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی کے داعی وباحث فضیلۃ الشیخ عنایت اللہ مدنی رحفظہ اللہ نے حج کا عملی طریقہ پیش کیا جس سے قرب وجوار کے عازمین حج کے ساتھ ساتھ دیگر عوام نے بھی استفادہ کیا، حج کا عملی مشق نہایت ہی اہمیت کا حامل پروگرام ہوتا ہے کیونکہ کوئی کتنا بھی پڑھ لے حج کے مناسک وشعائر اسے اسقدر سمجھ میں نہیں آتے جتنا عملی مشق سے سمجھ میں آتے ہیں۔ اسی اہمیت کے پیش نظر صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی نے موسم حج کی مناسبت سے کئی مساجد میں حج ٹریننگ پروگرام منعقد کیے جس میں اکسپرٹ علماء کو مدعو کیا گیا جنھوں نے اپنے علم اور تجربے کی روشنی میں لوگوں کی تربیت کی. الحمدللہ اس سے کافی فائدہ ہوا۔

31 رمئی 2024 بروز جمعہ جامع مسجد اہل حدیث مہسلہ میں خطبۂ جمعہ دینے کے بعد مسجد اہل حدیث گوریگاؤں میں منعقدہ ایک اہم اجلاس میں امیر محترم شیخ عبدالسلام سلفی رحفظہ اللہ نے شرکت کی اور ''ہماری پہچان اور ہمارا امتیاز اہل حدیثیت اور سلفیت'' جیسے اہم موضوع پر خطاب کیا۔

2 رجون بروز اتوار بعد نماز مغرب تا دس بجے شب مسجد اہل

حدیث اصحاب صفہ، بی کے سی ممبئی میں صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی کے زیرنگرانی ایک اجلاس عام کا انعقاد ہوا جس میں جماعت کے بزرگ عالم دین قاری نجم الحسن فیضی رحفظہ اللہ نے صدارت کے فرائض انجام دیئے اور قیمتی نصیحتیں کیں۔ جبکہ جامعہ رحمانیہ کاندیولی کے روح رواں شیخ الطاف حسین فیضی رحفظہ اللہ نے اصلاح معاشرہ میں نوجوانوں کی کیا اہمیت ہے اور وہ کس طرح معاشرے کی اصلاح میں اپنا رول ادا کر سکتے ہیں اس کا تذکرہ کیا اور قیمتی نصیحتوں سے نوازا۔ نیز صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی کے داعی وباحث شیخ عنایت اللہ مدنی رحفظہ اللہ نے ''تقوی کی حقیقت'' پر قرآن وسنت اور صحابہ وتابعین کے اقوال کی روشنی میں بہت ہی اہم اور مدلل خطاب کیا۔ اسی طرح امیر محترم شیخ عبدالسلام سلفی رحفظہ اللہ نے ''عزت وسربلندی اسلام میں ہے'' جیسے اہم موضوع پر خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ اسلام ہم سے فرمانبرداری کا مطالبہ کرتا ہے کیونکہ اسلام کا معنی ہی استسلام اور تابعداری وفرمانبرداری کے ہیں نیز ابراہیم علیہ السلام جن کی پوری زندگی تابعداری وفرمانبرداری سے عبارت ہے ان کے تعلق سے بھی اللہ رب العالمین نے قران مجید میں جس صفت سے متصف کیا وہ ہے : ﴿هُوَ سَمَّىٰكُمُ ٱلْمُسْلِمِينَ﴾ [حج:۷۸] اور اسلام سے ہٹ کر کبھی بھی کوئی ترقی اور سربلندی نہیں مل سکتی ہے۔ صحابہ کرام نے اپنی سربلندی اور بلند مقام کی وجہ بھی یہی بیان کیا ہے کہ ہم کو سربلندی اسلام ہی کی بنیاد پر ملی ہے لہٰذا آج بھی ہم اگر اپنی کھوئی ہوئی عزت وسربلندی جسے ہم نے صحیح طریقے سے اسلام پر کاربند نہ ہونے کی وجہ سے کھودیا ہے دوبارہ بحال کرنا چاہتے ہیں تو اسلام پر کاربند ہو کر ایمان وتقوی کی زندگی بسر کر کے ہی حاصل کر سکتے ہیں کیونکہ اللہ کا فرمان ہے: ﴿وَأَنتُمُ ٱلْأَعْلَوْنَ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ﴾ [آل عمران:۱۳۹]

17 رجون بروز پیر یوم عیدالاضحیٰ کو امیر محترم شیخ عبدالسلام سلفی رحفظہ اللہ نے دارالسلام لیک پلازہ کوسہ ممبرا کی عیدگاہ میں حاضرین کے جم غفیر کو توحید وسنت پر کاربند رہنے اور شرک وبدعات سے دور رہ کر زندگی گزارنے کی تلقین کی اور فرمایا کہ ابراہیم علیہ السلام کی زندگی سے ہم کو یہی سبق ملتا ہے۔ قربانی کے اس موقع سے آپ کی زندگی ہمارے لیے نمونہ ہے اسے اپنانے کی ضرورت ہے۔

اسی طرح صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی کے داعی شیخ فیض الرحمن رحمانی رحفظہ اللہ نے جامع مسجد اہل حدیث کاپڑیا نگر کرلا ممبئی میں نماز عیدالاضحیٰ کی امامت کرائی اور خطبے میں اتحاد اتفاق نیز اسوہ ابراہیمی کو اپنانے اور جانور کی قربانی کے ساتھ ساتھ اپنی انا، نفسانی خواہشات، اپنی زندگیوں میں ہونے والی معصیات ومحرمات کو بھی قربانی کرنے کی تلقین کی اور کہا ان تمام چیزوں پر بھی چھری چلانے کی ضرورت ہے۔ نیز قربانی کی مناسبت سے ایک دوسرے کا تعاون، ضرورت مندوں کی حاجات پر بھی دھیان دینے پر زور دیا۔ اسی طرح صفائی ستھرائی کا خیال کرنے کی بھی تلقین کی تاکہ غیروں کو ہماری عبادات سے کوئی تکلیف نہ پہونچے اور صفائی ستھرائی بھی برقرار رہے۔

20 رجون بروز جمعرات بعد نماز عشاء آئی آئی سی ممبئی کی آن

لائن زوم کانفرنس میں صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی کے داعی شیخ فیض الرحمن رحمانی رحفظہ اللہ نے ''قربانی کا ایک اہم سبق : والدین کی فرمانبرداری'' کے موضوع پر خطاب کیا جس میں آن لائن بہت سے لوگوں نے شرکت کرکے استفادہ کیا۔

30رجون بروز اتوار بعد نماز مغرب تا عشاء دہلی سے آئے ہوئے مہمان شیخ رضاء اللہ عبد الکریم مدنی رحفظہ اللہ کا صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی کے زیر نگرانی وجامع مسجد اہل حدیث مومن پورہ بائیکلہ کے زیر اہتمام مسجد میں خصوصی خطاب ہوا۔

5 رجولائی بروز جمعہ جبیل سعودی عرب سے آئے ہوئے مہمان فضیلۃ الشیخ مختار احمد محمدی مدنی رحفظہ اللہ کا جامع مسجد اہل حدیث کا پڑیا نگر کرلا میں خطبہ جمعہ کا اہتمام کیا گیا جس میں شیخ محترم نے ''استخارہ'' کے موضوع پر خطاب کیا جس میں آپ نے استخارہ کا معنی ومفہوم، اس کی اہمیت اور طریقے کو بیان کیا نیز یہ بھی واضح کیا کہ نبی کریم ﷺ صحابہ کرام کو استخارے کی دعا اسی طرح یاد کراتے تھے جیسے کوئی سورت یاد کراتے تھے نیز اس کے طریقے کو بھی آپ ﷺ صحابہ کرام کو بتایا کرتے تھے تاکہ انسان کا معاملہ بہت ہی سہل اور آسان ہوجائے اور اس کے کرنے میں آدمی کو اطمینان بھی ہو لیکن افسوس اس سنت کو چھوڑ دینے کی وجہ سے یا بہت کم اپنانے کی بنیاد پر آج ہمارے معاملات اکثر بگڑ جاتے ہیں، ہمیں ہمارے کاموں میں ناکامی کی ایک بہت ہی اہم وجہ اور سبب استخارہ نہ کرنا بھی ہے۔

الحمدللہ امسال صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی کے داعی وباحث شیخ عنایت اللہ مدنی رحفظہ اللہ نے شاہی مہمان کی حیثیت سے حج 2024ء کی سعادت حاصل کی اور ایام حج مکہ مکرمہ میں گزارا ساتھ ہی اس سنہری موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے وہاں کے سلفی علماء اور دینی امور کے ذمہ داروں سے بھی ملاقات کی نیز اپنے تاثراتی کلمات میں توحید وسنت کو اپنانے اور منہج سلف پر چلنے کی دعوت کے ساتھ ساتھ صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی کی طرف سے مملکت سعودیہ عربیہ کے ذمہ داروں وعہدداروں کا شکریہ بھی ادا کیا اسی طرح مدینہ کی زیارت کے موقع پر وہاں کی بین الاقوامی اسلامک یونیورسٹی جامعہ اسلامیہ کے طلبہ سے ملاقات کی اور وہاں پر موجود ہندوستانی طلباء کو مفید نصیحتوں سے نوازا۔

اس کے علاوہ سوشل میڈیا پر دکتور عبدالقیوم بستوی رحفظہ اللہ کے منہج سلف کی حقیقت سیریز کا ویڈیو اور اسی طرح قربانی اور ذی الحجہ کی مناسبت سے قربانی سیریز میں شیخ عنایت اللہ مدنی ر حفظہ اللہ کی قربانی وعشرہ ذی الحجہ کے مسائل پر اہم ویڈیو کو اپلوڈ ونشر کیا گیا جس سے کثیر تعداد نے فائدہ حاصل کیا۔

اس کے علاوہ شیخ عنایت اللہ مدنی رحفظہ اللہ کے مسجد حسن رائل گارڈن کوسہ ممبرا، مسجد دارالتربیہ سیلیش نگر ممبرا، جامع مسجد اہل حدیث مومن پورہ بائیکلہ، مسجد اہل حدیث میرا روڈ، مسجد اہل حدیث دارالہدی ساکی ناکہ، مسجد اہل حدیث فیضان اپارٹمنٹ جوگیشوری، وغیرہ میں شرح کتاب التوحید، منہج سلف کی حقیقت، جدید مناہج کی حقیقت، عظمت صحابہ سیریز، عقیدہ وسنت کے متعلق سلف صالحین کے اقوال جیسی اہم اور اصولی کتابوں کے ہفتہ واری و پندرہ روزہ دروس جاری وساری ہیں۔ فللہ الحمد والمنۃ

صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی اپنے مقصد وجود اور مشن کی تکمیل میں بحمداللہ بساط بھر سرگرم عمل ہے اور خالص اسلام (کتاب وسنت) کی نشر واشاعت، دعوت الی اللہ، اصلاح نفوس، اصلاح ذات البین اور تعلیم وتربیت سے متعلق سرگرمیوں میں اپنا کردار نبھانے کی بھرپور سعی کررہی ہے۔ ذیل میں اس کی سرگرمیوں کا ایک خاکہ پیش کیا جارہا ہے۔

- تربیتی اجتماعات کا انعقاد۔
- علماء وائمہ کے لئے سالانہ دورہ تدریبیہ
- انفرادی ملاقاتیں اور دعوتی دورے۔
- ہینڈ بل، اشتہارات اور کتابوں کی اشاعت۔
- مجلہ الجماعہ کی اشاعت۔
- کتابوں کی مفت تقسیم۔
- مکاتب کا ماہانہ تعاون۔
- ضرورت مند افراد کا تعاون۔
- جلسے اور کانفرنسیں۔
- نزاعات کے تصفیہ کے سلسلے میں تگ ودو۔
- مصائب وحادثات سے دوچار پریشان حال لوگوں کا تعاون اور آسمانی وزمینی آفات پر بھرپور مدد۔

دینی وجماعتی شعور رکھنے والے تمام غیرت مند افراد سے دردمندانہ اپیل ہے کہ وہ مذکورہ مشن کی تکمیل میں جمعیت کا بھرپور تعاون فرمائیں۔ جزاھم اللہ خیراً

A1 Grafix Studio : +91-9819189965

SUBAI JAMIAT AHLE HADEES, MUMBAI
14/15, Chuna Wala Compound, Opp. Best Bus Depot, L.B.S. Marg, Kurla (W), Mumbai - 400 070
9892255244 9892555244 ahlehadeesmumbai@gmail.com @JamiatSubai
subaijamiatahlehadeesmum SubaiJamiatAhleHadeesMumbai
www.ahlehadeesmumbai.com majallahaljamaah@gmail.com